Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۵۶

مہنگی سیر

اِشتیاق احمد

دو باتیں

اسلام علیکم !

بعض اوقات میں بہت پریشان ہو جاتا ہوں — اور حیران بھی — بلکہ الجھن کا شکار بھی ہو جاتا ہوں۔ یہ پریشانی، حیرت اور الجھن مجھے کہیں کا کہیں لے جاتی ہے — اور واپس لوٹنا مشکل ہو جاتا ہے — سوچتا ہوں — کسی روز ایسا نہ ہو جائے کہ بہت دور نکل جاؤں، اتنا دور کہ وہاں سے واپسی ناممکن ہو جائے — ویسے تو ایک دن یہ ہونا ہی ہے —

اب آپ الجھن کا شکار ہو گئے ہوں گے — خیر میں تو آپ کی الجھن دور کر دیتا ہوں — الجھن تو میری الجھن کی ہے جس کے دور ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی —

اب تو آپ سسپنس کے پیٹ میں مکمل طور پر آ گئے ہوں گے — خیر سنیئے — بات صرف یہ ہے کہ میری ایک قاریہ سیما ابراہیم صاحبہ کراچی نے مجھے صرف چوبیس بڑے صفحات کا خط لکھا ہے — اب میں چکر پر چکر کھا رہا ہوں کہ اس خط کو پڑھوں کس طرح — پڑھنے کے بعد اس کا جواب کس طرح لکھوں — اور اس کے کون سے حصے کو شائع کروں — کون سے حصے کو شائع نہ کروں۔ کچھ آپ ہی میری مدد فرمائیں — فرمائیں گے نا —

اشتیاق

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

فائر ہوتا ہے

فائر کی آواز نے انھیں چونکا دیا —
"شاید جنگل میں کوئی شکار کھیل رہا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔
"ہو عقل سے پیدل۔" فرزانہ جل گئی۔
"یہ کس بات سے ظاہر ہوا؟" فاروق کے لہجے میں حیرت در آئی —
"بالکل سامنے کی بات ہے، لیکن سامنے کی بات اور تمھاری سمجھ میں آ جائے — ہو ہی نہیں سکتا۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا —
"اچھا تو پھر — جو ہو سکتا ہے، اس کی بات کرو نا۔" فاروق نے منہ بنایا۔
"ہوا ان کوٹھیوں سے جنگل کی طرف جا رہی ہے — ہم جنگل سے باہر ہیں اور ان کوٹھیوں سے نزدیک — اگر فائر جنگل میں ہوا ہوتا تو آواز اس قدر تیز نہ ہوتی — تیز

آواز یہ ظاہر کر رہی ہے کہ فائر ان کوٹھیوں میں سے کسی میں ہوا ہے۔" فرزانہ نے وضاحت کی۔

"بات معقول ہے۔" محمود نے پہلی مرتبہ گفتگو میں حصّہ لیا۔

"اگر یہ بات معقول ہے، تو پھر ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ فائر کس کوٹھی میں ہوا ہے اور کیوں؟" فاروق نے کہا۔

"اُلجھن میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی نے ہوائی فائر کیا ہوگا۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"ہوائی فائر — اور اس قدر صبح سویرے۔" فرزانہ نے آنکھیں نکالیں۔

"تو پھر پڑ جاؤ اُلجھن میں۔" محمود نے کہا۔

انھوں نے ارد گرد کے مکانات پر نظریں دوڑائیں —

صبح کی سیر کو نکلے تھے اور اس طرف زندگی میں پہلی بار آئے تھے — یہ جگہ شہر سے قریباً پانچ کلو میٹر دُور تھی — کافی کافی فاصلے پر کوٹھیاں ہی کوٹھیاں تھیں، تاہم چند ٹوٹے پھوٹے گھر بھی نظر آ رہے تھے —

"سوال یہ ہے کہ اُلجھن کو سُلجھائیں کیسے — کس طرح معلوم ہو کہ فائر کس کوٹھی میں ہوا ہے — ان ٹوٹے پھوٹے مکانات میں تو فائر ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"بے شک فائر ان میں نہیں ہوا، لیکن ان میں رہنے والے یہ تو بتا ہی سکتے ہیں کہ یہ فائر کہاں ہوا ہے اور کیوں ہوا ہے۔"

"مشکل ہے — بھلا وہ لوگ کیسے بتا سکیں گے — کیا وہ نجومی ہیں۔"

"ہاں خیر — نجومی تو وہ نہیں ہو سکتے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"تب پھر — کیا کیا جائے؟"

"آؤ میرے ساتھ — یہاں کھڑے رہ کر کچھ بھی نہیں ہو گا —" فرزانہ نے کہا اور نزدیک ترین کوٹھی کی طرف قدم اٹھا دیے —

"محمود — گھنٹی کا بٹن دباؤ۔" نزدیک پہنچ کر فرزانہ بولی۔

"قدم تم نے اُٹھائے اور گھنٹی کا بٹن میں دباؤں — یہ اچھی ناانصافی ہے۔" محمود جھلا کر بولا۔

"چلو خیر — اچھی ہی ہے نا — بُری تو نہیں ہے۔" فرزانہ مُسکرائی —

محمود نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے گھنٹی کا بٹن دبا ڈالا — اندر کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی — اس دوران وہ دروازے کا جائزہ لے چکے تھے — نام کی تختی پر راؤ رومانی ایم اے لکھا ہوا تھا — اور نیچے باریک لفظوں میں قومی بنک مینجر لکھا تھا — قریباً ایک منٹ بعد دروازہ کھلا —

کی عمر کے قریب ایک شخص انھیں گھورتا نظر آیا:

"کیا بات ہے جناب - کیا آپ لوگوں کو نیند نہیں آتی،
اگر بات یہی ہے تو پھر آپ غلط دروازے پر آئے ہیں،
ڈاکٹر طغیانی ساتھ والی کوٹھی میں رہتے ہیں۔" اس کے لہجے میں
جھنجلاہٹ تھی -

"ڈ ڈ - ڈاکٹر طغیانی۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! یہی نام ہے ان کا - لیکن اس میں گھبرانے اور
بوکھلانے کی کیا ضرورت ہے - ان کی فیس ذرا طغیانی لیے ہوتی
ہے - ان کی طبیعت میں ہرگز طغیانی نہیں ہے۔"

"شکریہ جناب - ہم بیمار نہیں ہیں - دوسرے یہ کہ ہمیں
نیند بھی بہت گہری آتی ہے - اللہ کی مہربانی سے - تیسرے
یہ کہ یہ وقت سونے کا نہیں ہے - ابھی تھوڑی دیر بعد
صبح کی نماز کا وقت ہو جائے گا - چوتھے یہ کہ آپ کی
اس آبادی میں ابھی ابھی ایک عدد فائر ہوا تھا - کیا آپ نے
نہیں سُنی آواز۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"فف - فائر -" اس کے منہ سے مارے بوکھلاہٹ کے نکلا۔

"فف - فائر نہیں - صرف فائر ہوا تھا۔"

"ارے باپ رے - تب تو مجھے دروازہ بند کر لینا چاہیے،
معلوم ہوتا ہے - آج پھر دوسانی پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا

ہے - وہ ابھی پستول لیے گھر سے نکلے گا اور اندھا دھند فائرنگ
کر دے گا - ہٹ جائیے یہاں سے - ورنہ آپ لوگ بھی لپیٹ میں
آ سکتے ہیں، ادھر اُدھر چھپ جائیے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھٹ سے بند ہو گیا - انھوں
نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"مجھے تو یہ شخص بھی کچھ کم پاگل نہیں لگتا۔" فاروق نے
کہا -

"تو پھر آؤ - ڈاکٹر طغیانی سے بات کریں۔" فرزانہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

ساتھ والی کوٹھی کے دروازے پر ڈاکٹر طغیانی لکھا ہوا
تھا - محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا،
گھنٹی بجانے کے بعد وہ انتظار کرنے لگے - دو
منٹ گزر گئے، لیکن دروازہ کھولنے کوئی نہ آیا - آخر محمود
نے ایک بار پھر گھنٹی بجائی اور بولا:

"شاید اس آبادی میں کوئی نماز کے لیے نہیں اُٹھتا۔"

"یہ تو نہیں ہو سکتا - نمازی بھی ضرور ہوں گے۔"

اسی وقت قدموں کی آواز سُنائی دی - اور ایک ادھیڑ
عمر آدمی نظر آیا، اس کے سر کے بال بُری طرح اُلجھے ہوئے
تھے -

"تم لوگوں میں سے بیمار تو کوئی نظر نہیں آتا۔" اس کے لہجے میں بھی جھنجلاہٹ تھی۔ آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی، شاید بہت گہری نیند سو رہا تھا۔

"جی ہاں! الحمد للہ! ہم بالکل تندرست ہیں۔"

"تب پھر بھاڑ میں جاؤ۔"

"میں سمجھ گیا۔ آپ چاہتے ہیں، ہم میں سے کوئی جھلس جائے اور پھر آپ کی طرف ہم آئیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

ڈاکٹر طغیانی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا اور تلملا کر بولا:

"ہاں! یہی بات ہے۔ لیکن تم نے گھنٹی کیوں بجائی۔ وہ بھی دو مرتبہ۔"

"تو پہلی مرتبہ کی گھنٹی نے آپ کو جگا دیا تھا۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ہاں! بالکل جگا دیا تھا۔"

"تب پھر آپ آئے کیوں نہیں؟"

"میں انتظار کرتا رہا۔ کہ تم دوسری بار گھنٹی بجاؤ۔" اس نے کہا۔

"پھر آپ نے فائر کی آواز سنی تھی؟"

"فائر کی آواز۔ نہیں تو۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"حیرت ہے۔ گھنٹی کی آواز آپ نے سن لی اور جاگ بھی گئے، لیکن فائر کی آواز نے آپ کو نہیں جگایا۔" محمود بولا۔

"اوہ۔ تت۔ تو۔ کیا آپ نے یہاں کہیں فائر کی آواز سنی ہے؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں بالکل!"

"تب۔ تب فائر ضرور ڈوسانی نے کیا ہوگا۔ ارے باپ رے۔ کوئی پتا نہیں، کب وہ پستول لیے گھر سے نکل آئے۔ جاگ جائیے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے بھی دروازہ بند کر لیا۔ انھوں نے پھر ایک دوسرے کو گھورا:

"مجھے تو یہ ساری بستی پاگلوں کی لگتی ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"اگر پوری طرح پاگل نہیں ہیں تو نیم پاگل ضرور ہیں۔" محمود بولا۔

"ہمیں ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ابھی ڈوسانی پستول اٹھائے باہر نکلے گا ہی۔ اس سے ہی بات کر لیں گے۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"اور وہ نہ نکلا تو؟"

"تب پھر ہم خود ڈوسانی کے دروازے پر دستک دیں

گے اور اس سے معلوم کریں گے۔ کہ اس نے فائر کیوں کیا۔
راؤ رومانی اور ڈاکٹر طغیانی کے بیانات سے تو ظاہر ہوتا
ہے۔ یہ مسٹر ڈوسانی عام طور پر ایسا کرتے ہی رہتے ہیں،
اگر وہ پاگل ہیں تو پھر ان کا یہاں رہنا خطرناک ہے۔
انھیں پاگل خانے پہنچا دینا چاہیے۔ تاکہ باقی لوگ سکون
سے زندگی بسر کریں۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"ہوں۔ بات معقول ہے۔ ہمیں انتظار کرنا چاہیے۔"

تین منٹ گزر گئے، لیکن کوئی ڈوسانی ووسانی اپنے
گھر سے باہر نہ نکلا۔

"آؤ دیکھیں۔ مسٹر ڈوسانی کون سی کوٹھی میں رہتا ہے۔"

وہ ایک ایک دروازے پر نظر ڈالتے آگے بڑھنے لگے، لیکن
کسی دروازے پر ڈوسانی لکھا نظر نہ آیا۔ چند کوٹھیاں ایسی
بھی تھیں۔ جن پر نام کی تختی لگی ہوئی نہیں تھی۔ گویا
ڈوسانی ان میں سے ہی کسی ایک میں رہتا تھا۔ آخر محمود
نے ایک اور کوٹھی کے دروازے پر دستک دی۔ اس بار
دروازہ فوراً ہی کھلا اور ایک دُبلے پتلے آدمی کی صورت
دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر حیرت کی وجہ سے بارہ
بج رہے تھے۔

"فرمائیے۔ کیا بات ہے؟"

"مسٹر ڈوسانی کہاں رہتے ہیں؟"

"یہیں رہتے ہیں۔ کیوں۔ آپ لوگوں کو ان سے کیا
کام ہے؟"

"مہربانی فرما کر انھیں بُلا دیں۔ ہم کام بھی انھی کو
بتائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"بُلانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ میں پہلے ہی آ
چکا ہوں۔"

"اوہ۔ تو آپ ہی ڈوسانی صاحب ہیں۔"

"میں صرف ڈوسانی ہوں۔ صاحب واحب نہیں ہوں۔"

"خیر خیر۔ یوں ہی سہی۔ آپ نے ابھی ابھی کوئی فائر
تو نہیں کیا تھا؟"

"یہ بات آپ کو محلے والوں نے بتائی ہو گی۔" اس
نے فوراً کہا۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"میں ان لوگوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ پاگل بنا کر رکھ
دیا ہے انھوں نے مجھے۔"

"جی۔ کیا مطلب۔ ہم سمجھے نہیں۔"

"ان لوگوں نے بس یہی مشہور کر رکھا ہے کہ میں پاگل ہوں،
حالاں کہ میں بالکل بھی پاگل نہیں ہوں۔"

"اور فائر کی آواز؟" فرزانہ بولی۔

"ہاں! فائر کی آواز میں نے بھی سُنی تھی۔ میں اس وقت جاگ رہا تھا۔ صبح سویرے نماز کے وقت سے بھی پہلے جاگنے کا عادی ہوں۔"

"شکریہ۔ کوئی تو ایسا ملا۔ جس نے نماز کا نام لیا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"کیا کہا آپ نے؟"

"جج۔ جی۔ میں نے نماز کی بات کی ہے۔ تو آپ نے فائر کی آواز سُنی تھی؟"

"ہاں۔ بالکل سُنی تھی، لیکن فائر میں نے نہیں کیا تھا۔" اس نے کہا۔

"کیا اس قسم کے فائر یہاں عام طور پر ہوتے رہتے ہیں" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں! اور ہر فائر میرے نام لگا دیا جاتا ہے۔"

"آخر کیوں۔ انھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" فاروق نے جلدی سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کسی نہ کسی کو تو کوئی ضرورت ہو گی ہی۔ ورنہ میرا نام مشہور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"آپ کو اتنا تو یاد ہو گا کہ فائروں کا یہ سلسلہ کب شروع ہوا تھا؟"

"جی ہاں۔ یاد ہے۔ آج سے تین ماہ پہلے صبح سویرے ایک عدد فائر ہوا تھا۔ اور پھر آس پاس کے لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئے تھے۔ انھوں نے دروازے پر دستک دی تھی۔ میرے دروازہ کھولنے پر انھوں نے فوراً کہا۔ اس گھر میں فائر کیا گیا ہے۔ خیر تو ہے۔ گولی کس نے چلائی تھی۔ میں نے انھیں بتایا کہ یہاں سے کسی نے فائر نہیں کیا۔ انھیں غلط فہمی ہوئی ہے، لیکن وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ نہیں۔ میں چھپا رہا ہوں۔ اور یہ کہ وہ اندر کی تلاشی لیں گے۔ اگر انھیں اندر کی تلاشی نہ لینے دی گئی تو وہ پولیس کو اطلاع دیں گے۔ پولیس کا نام سُن کر میں سہم گیا۔ اور میں نے سوچا۔ کیوں نہ ان کو ہی تلاشی دے دی جائے۔ پھر بھی تو پولیس تلاشی لے گی آ کر۔ چنانچہ میں نے تلاشی لینے کی اجازت دے دی۔ وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ میں نے گھر والوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔ جب وہ سارے گھر کی تلاشی لے چکے تو میں نے گھر کے افراد کو اس کمرے سے نکال کر دوسرے کمرے میں بھیج دیا اور اس کمرے

کی بھی تلاشی دی۔ اس کمرے کی ایک الماری سے انھوں
نے ایک پستول برآمد کیا۔ اس کی نالی میں سے بارود کی
ہلکی سی بُو بھی آ رہی تھی۔ وُہ میرے چہرے کے سامنے
کرتے ہوئے ایک ساتھ بولے۔ یہ کیا ہے۔ پستول کو
دیکھ کر میں دھک سے رہ گیا۔ میں نے انھیں لاکھ یقین دلانے
کی کوشش کی کہ یہ پستول میرا نہیں ہے اور نہ میں نے اس
جگہ رکھا ہے۔ پتا نہیں یہ یہاں کس طرح آ گیا۔ لیکن
انھیں میری بات کا یقین نہ آیا۔ تاہم چوں کہ گھر میں ہر
طرح خیریت تھی۔ اس لیے وُہ کوئی قدم نہ اُٹھا سکے۔
لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ پستول کا کیا کیا جائے۔ ان میں سے
ایک نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ کیا میرے پاس اس پستول
کا لائسنس ہے۔ میں نے فوراً کہا کہ جب پستول میرا ہے
ہی نہیں تو میرے پاس اس کا لائسنس کیوں ہونے لگا۔
وُہ بے یقینی کے عالم میں چلے گئے۔ پستول بھی میرے
گھر میں ہی چھوڑ گئے۔ میں نے اس پستول کو اُٹھا کر جنگل
میں پھینک دیا۔ میں نہیں جانتا۔ وُہ اب بھی جنگل میں
ہی پڑا ہے یا کسی نے اس کو اُٹھا لیا ہے۔ پانچ چھے
دن بعد پھر فائر کی آواز سُنی گئی۔ اور آبادی میں یہ بات
کہ دی گئی کہ آج پھر میں نے فائر کیا ہے۔ حالاں کہ میرے

فرشتوں نے بھی فائر نہیں کیا تھا۔ اس روز میرے گھر میں
کوئی تلاشی لینے نہیں آیا۔ میں ان کا انتظار ہی کرتا رہا۔
پھر مَیں نے خود ہی اپنے گھر کی تلاشی لی، لیکن پورے گھر
کی تلاشی لینے کے بعد بھی کوئی پستول وستول نہ ملا۔ اس
کے بعد تو یہ معمول بن گیا ہے۔ آٹھ دس روز بعد ضرور
فائر کی آواز گونجتی ہے۔ اور لوگ یہی کہتے ہیں کہ ڈوسانی نے
فائر کیا ہے۔ وُہ ضرور پاگل ہو گیا ہے۔ اس میں کوئی شک
نہیں۔ کہ میں اس آبادی میں پاگل مشہور ہو گیا ہوں، لیکن
اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ میں پاگل نہیں ہوں ——
آبادی والوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے:
یہاں تک کہہ کر وُہ خاموش ہو گیا۔ وُہ سوچ میں ڈوب
گئے، آخر محمود نے کہا:
"یہ تو خیر ٹھیک ہے کہ آپ فائر نہیں کرتے۔ اور نہ
آپ پاگل ہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ آبادی میں فائر کی
آواز تو گونجتی ہے۔ آخر۔ فائر کون کرتا ہے اور کیوں اس
فائر بازی سے اس کا مقصد کیا ہے۔ کہیں اس کا کوئی خوفناک
مقصد تو نہیں۔ اور اس کے خوفناک مقصد کی لپیٹ میں آپ تو
آنے والے نہیں۔"
"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"شاید آپ نے اس پہلو پر بالکل توجہ نہیں دی — حالاں کہ توجہ دینے کی بہت ضرورت تھی۔ بلکہ آپ کو چاہیے تھا۔ پہلے روز ہی پستول لے کر پولیس اسٹیشن چلے جاتے اور ساری بات انھیں بتا دیتے۔ پستول تھانے میں جمع کر دیتے۔ خیر۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ آپ آج ہی پولیس اسٹ جائیں اور یہ ساری کہانی انھیں سنائیں۔"

"ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آپ ضرور میرے ہمدر ہیں۔ کیوں کہ یہ مشورہ ابھی تک کسی نے بھی نہیں دیا۔ مَی ضرور ایسا ہی کروں گا۔"

"آپ کے گھر میں فون ہے؟" فرزانہ بولی۔

"فون۔ جی ہاں۔ ہے۔"

"تو پھر آپ پولیس کو فون کر دیں۔ کہ یہاں فائر کی آوا سنائی دی ہے۔ لہٰذا فوراً آئیے۔"

"لیکن اس کا کیا فائدہ؟"

"فائدہ ہو گا۔ آپ فون کر دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ کر دیتا ہوں فون۔ لیکن آپ لوگ کو ہیں؟"

"ہم ادھر سے گزر رہے تھے۔ صبح کی سیر کرنے آئے فائر کی آواز سنی تو ایک گھر کے دروازے پر گئے۔ اس گ

والے سے پوچھا کہ کیا اس نے بھی فائر کی آواز سنی ہے۔ لیکن اس نے یہی کہا کہ فائر مسٹر ڈوسانی نے کیا ہو گا۔ پھر ہم نے ایک اور دروازے پر دستک دی۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ آخر ہم نے آپ سے ملنا مناسب خیال کیا۔"

"ہُوں۔ آپ نے اچھا کیا۔ آئیے۔ اندر تشریف رکھیے۔ میں ابھی فون کرتا ہوں۔"

وُہ انھیں راستا دینے کے لیے ایک طرف ہٹا ہی تھا کہ کئی گاڑیوں کی آوازیں سُنائی دیں۔

وُہ جلدی سے مڑے اور دھک سے رہ گئے۔ پولیس کی تین جیپیں ڈوسانی کے دروازے پر آ کر رُکی تھیں۔ اور پھر ان میں سے پولیس آفیسر اور کانسٹیبل اُترنے لگے۔

ڈوسانی کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ اسی وقت پولیس انسپکٹر آگے بڑھا:

"مسٹر ڈوسانی کا گھر یہی ہے؟"

"ج۔ جی ہاں۔ میں ہی ڈوسانی ہوں۔"

"تو قتل آپ نے ہی کیا ہے؟"

"جی۔ کیا فرمایا۔ قتل۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔" ڈوسانی نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ نے ہی تو فون پر کہا تھا کہ آپ سے ایک عدد قتل ہو گیا ہے۔"

"مم۔ میں نے کہا تھا؟"

"ہاں۔ بالکل۔" پولیس انسپکٹر نے پُریقین آواز میں کہا۔

"آپ کو اس بات پر اتنا یقین کیوں ہے جناب؟" محمود سے رہا نہ گیا۔

"فون کرنے والے کی آواز میں اور ان کی آواز میں کوئی فرق نہیں ہے۔" پولیس انسپکٹر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے فکرمندانہ انداز میں نکلا۔

"لیکن آپ کون ہیں؟"

"ہم۔ ہم تو صرف راہ گیر ہیں۔ فائر کی آواز اس آبادی میں سُن کر رُک گئے تھے۔ اس طرف صبح کی سیر کرنے آئے تھے۔"

"تو آپ نے بھی فائر کی آواز سُنی تھی۔" پولیس انسپکٹر چونک کر بولا۔

"جی ہاں! اس میں کوئی شک کی بات نہیں۔"

"اور آپ کے یہاں کھڑے ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آواز اسی گھر سے آتی سُنی ہو گی۔"

"جی نہیں۔ یہ بات تو خیر نہیں ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کیوں۔ یہ بات کیوں نہیں ہے؟" انسپکٹر بولا۔

"اس لیے کہ اس وقت ہم یہاں سے کافی فاصلے پر تھے، اور آواز سے کوئی اندازہ لگانے کے قابل نہیں تھے کہ فائر کس گھر میں ہوا ہے۔"

"تب پھر آپ یہاں کیوں کھڑے نظر آ رہے ہیں؟"

"اس کی تفصیل ذرا لمبی ہے۔"

"میں وہ تفصیل ضرور سُنوں گا، کیوں کہ یہ معاملہ قتل کا ہے۔"

"معاف کیجیے گا جناب۔ یہاں کوئی قتل وتل نہیں ہوا۔ کسی نے ہوائی اڑائی ہے۔" ڈوسانی نے بھنا کر کہا۔

"تب پھر آپ نے قتل کی اطلاع کیوں دی؟"

"میں نے نہیں دی۔" اس نے جل بھن کر کہا۔

"خیر خیر۔ یہ ہم دیکھ لیں گے۔ ہاں بھئی۔ آپ لوگ وہ تفصیل بتا رہے تھے۔" انسپکٹر ان کی طرف مڑا۔

"ضرور جناب کیوں نہیں۔ پیدا کس لیے ہوئے ہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر چونکا۔

"کک۔ کچھ نہیں۔" فاروق جلدی سے بولا اور محمود نے ساری تفصیل سُنا دی۔ آخر میں بولا:

"یہ ابھی فون کرنے ہی لگے تھے کہ آپ خود ہی آ گئے۔"

"اور ہم اس لیے آگئے ہیں کہ یہ پہلے ہی فون کر چکے تھے۔ اب تو ہمیں ان سے یہ معلوم کرنا ہے کہ انھوں نے گولی کس کو ماری ہے۔"

"کسی کو بھی نہیں۔" ڈوسانی نے جھلا کر کہا۔

"خیر۔ ہم اس گھر کی تلاشی لیں گے۔"

"ضرور لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آئیے۔" اس نے انھیں راستا دیا۔

پولیس والے اندر داخل ہونے لگے۔ ان کے پیچھے وہ تینوں بھی اندر داخل ہو گئے۔ اسی وقت انسپکٹر دروازے کی طرف مڑا تو اس کی نظر ان پر پڑی:

"آپ لوگ اندر کیوں گھس آئے ہیں۔ اپنا راستا لیں۔"

"نہیں جناب۔ یہ میرے دوست ہیں۔ آپ انھیں اندر آنے سے نہ روکیں۔"

"دوست ہیں۔ انھوں نے تو بتایا تھا کہ راہ گیر ہیں اور اس طرف سیر کرنے آئے تھے۔"

"تو کیا۔ اس طرف سے گزرنے والے یا سیر کے لیے آنے والے میرے دوست نہیں ہو سکتے؟"

"دوست۔ ہاں ضرور ہو سکتے ہیں۔" انسپکٹر نے کندھے اُچکائے۔ "لہذا آپ انھیں اندر آنے سے نہ روکیں۔"

"اچھی بات ہے۔ آ جائیے بھئی۔ لیکن کسی چیز کو چھونے یا ہاتھ لگانے کی کوشش نہ کیجیے گا۔"

"بہت بہتر۔ نہیں کریں گے کوشش۔" فاروق مُسکرایا۔

"آپ مُسکرائے کیوں؟"

"کیوں جناب۔ کیا یہاں مُسکرانا منع ہے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"منع تو نہیں۔ آپ کے مُسکرانے کا انداز ذرا عجیب سا تھا۔"

"خیر۔ ہم آئندہ کوشش کریں گے کہ مُسکرانے کا انداز عجیب نہ ہو۔" فاروق بولا۔

انسپکٹر نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اندر کی طرف چل پڑا۔ ان کے قدم بھی اُٹھنے لگے۔ ڈوسانی بالکل بے فکر نظر آ رہا تھا اور اکڑ کر چل رہا تھا؛ تاہم کبھی کبھار اس کی پیشانی پر بل ضرور پڑ جاتے تھے۔

پولیس نے تلاشی شروع کی۔ وہ بھی ساتھ ساتھ رہے۔ انسپکٹر کبھی کبھار ان کی طرف ناخوش گوار انداز میں دیکھ لیتا تھا، آخر اس سے رہا نہ گیا:

"آپ لوگ سائے کی طرح ساتھ کیوں لگے ہوئے ہیں۔ ایک طرف بیٹھ کیوں نہیں جاتے۔"

"نہیں جناب! ہمارا ساتھ رہنا ضروری ہے۔ کہیں مسٹر ڈوسانی

کے ساتھ کوئی نا انصافی نہ ہو جائے۔" محمود نے سنجیدہ انداز
میں کہا۔

"نا انصافی ۔ آپ کا مطلب ہے ۔ ہم ان سے نا انصافی
کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"میں نے یہ نہیں کہا۔"

"پتا نہیں ۔ آپ لوگ کس قسم کے ہیں؟"

"اپنی قسم کے ہیں بس؟" فاروق نے کندھے اُچکائے۔

انسپکٹر منہ بنا کر رہ گیا ۔ اب پولیس تیسرا کمرہ دیکھ رہی
تھی ۔ اچانک ایک کانسٹیبل کے منہ سے نکلا :

"ارے باپ رے؟"

قاتل

یُوں لگا جیسے سب لوگ 'ارے باپ رے' کا ہی
انتظار کر رہے تھے ۔ یک دم اس کانسٹیبل کی طرف لپک پڑے،
وُہ ایک الماری کھولے کھڑا تھا ۔ انھوں نے دیکھا ۔ الماری
میں ایک پستول موجود تھا ۔ ہلکی سی بارود کی بُو بھی اُن
کے نتھنوں میں آئی :

"خبردار ۔ اس پستول کو کوئی ہاتھ نہ لگائے ۔ گولی اسی
سے چلائی گئی ہے۔" انسپکٹر چلایا۔

وُہ تیزی سے ڈوسانی کی طرف مُڑے ۔ انھوں نے دیکھا ۔
اب اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں ۔

"خیر تو ہے مسٹر ڈوسانی ۔ آپ پریشان ہو گئے۔" فاروق نے
سرگوشی کی ۔

"تو اور کیا کروں؟" اس نے کہا

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے؟" فاروق نے سر ہلایا۔

آپ لوگ کیا گھُسر پھُسر کر رہے ہیں - الگ الگ کھڑے ہو
جاؤ - آلۂ قتل مل گیا ہے - مسٹر ڈوسانی - اب یہ بھی بتا دیں،
لاش کہاں ہے؟
"مم - میں نے کوئی قتل نہیں کیا - نہ یہ پستول میرا ہے۔"
"یہ وہ پستول تو نہیں - جو پہلے روز آپ کے پڑوسیوں
نے برآمد کیا تھا۔"
"ہاں! میرا خیال ہے - یہ وہی ہے۔" اس نے کہا۔
"اوہ!" سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
"تب پھر - آپ کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے -
یہ پستول اس الماری میں کیوں موجود ہے؟"
"مم - میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس نے کانپ کر کہا۔
"اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔" انسپکٹر نے کہا۔
"ہاں واقعی - اس طرح کام نہیں چلے گا۔" فرزانہ بول
اُٹھی -
"کیا مطلب - یہ آپ بول رہی ہیں۔" ڈوسانی نے گھبرا کر کہا۔
"ہمیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ پستول یہاں کس طرح آیا -
اس سے بارود کی بُو کیوں اُٹھ رہی ہے - جب کہ یہ مسٹر ڈو
کا نہیں ہے اور نہ انھوں نے اسے استعمال کیا ہے۔"
"ہاں بالکل!" ڈوسانی جلدی سے بولا۔

"تم یہ بات اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتی ہو لڑکی -
تم لوگ تو سیر کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔" انسپکٹر نے جھلّا
کر کہا۔
"اس طرح کہ اگر -" فرزانہ کہتے کہتے رُک گئی - اس کی
آنکھوں میں بے پناہ خوف دوڑ گیا۔
اس کی آنکھوں میں اس قدر خوف دیکھ کر محمود اور فاروق
چونک اُٹھے - انھوں نے جلدی سے اس طرف دیکھا - جس طرف
فرزانہ کی نظریں جمی تھیں - اور دھک سے رہ گئے -
اب سب نے ادھر دیکھا - اس طرف غسل خانہ تھا -
غسل خانے کا دروازہ بند تھا - لیکن فرش پر سے خون کی ایک
پتلی سی بہہ کر باہر آ رہی تھی - اس خون پر ان کی نظر
ابھی اور اسی وقت پڑی تھی - اور یہ اس لیے کہ خون بہہ کر
غسل خانے سے باہر نکلا بھی ابھی ابھی تھا -
"وہ مارا - مقتول بھی مل گیا - کس قدر آسان کیس ملا مجھے۔"
انسپکٹر نے نعرہ لگایا۔
ڈوسانی کے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی - آنکھیں خوف
سے پھیل گئیں - اس نے لرزتی آواز میں کہا:
"اُف مالک - یہ کیا ہو رہا ہے۔"
"وہی ہو رہا ہے جو ہونا چاہیے - جرم چھپ نہیں سکتا۔"

انسپکٹر بولا۔

"افسوس۔ میں نے یہ جرم نہیں کیا اور مجھے قاتل سمجھا جا رہا ہے۔"

"چلو بھئی۔ کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ غسل خانے کا دروازہ کیوں نہیں کھولتے۔ ڈر لگ رہا ہے کیا۔" انسپکٹر نے اپنے ماتحتوں سے کہا۔

وہ شاید ڈر ہی رہے تھے۔ لیکن انسپکٹر کی گھرکی کے بعد یک دم غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھے۔ غسل خانے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ چٹخنی گرائی گئی۔ اور پھر جوں ہی دروازہ کھلا۔ ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، اس کی کن پٹی میں گولی کا سوراخ تھا اور اس سوراخ سے خون رس رس کر غسل خانے کے فرش پر بہ رہا تھا۔ یہی بہتا ہوا خون باہر بھی نکل آیا تھا۔ اور حیرت کی بات یہ تھی کہ خون اب بھی نکل رہا تھا۔

انسپکٹر اندر داخل ہوا۔ اور خود کو خون سے بچاتے ہوئے لاش کے نزدیک پہنچ گیا۔ پنجوں کے بل بیٹھ کر لاش کا جائزہ لیا۔ اور سیدھا ہوتے ہوئے بولا:

"یہ سو فی صد قتل کی واردات ہے۔ مسٹر ڈوسانی۔ اگر یہ قتل آپ نے نہیں کیا تو پھر آپ کے گھر کے کسی فرد نے کیا ہے۔ آپ کے ہاں اور کون کون رہتا ہے؟"

"نہیں۔ نہیں۔ یہ غلط ہے۔" ڈوسانی چلایا۔

"کیا غلط ہے؟"

"یہ قتل نہ میں نے کیا ہے اور نہ میرے گھر کے کسی فرد نے۔ میرے گھر میں صرف میری بیوی اور دو چھوٹے بچے رہتے ہیں۔"

"اس سے اہم سوال یہ ہے کہ لاش کس کی ہے؟ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟" محمود نے منہ بنایا۔

"لاش۔ میں ابھی اس کا چہرہ اچھی طرح نہیں دیکھ سکا۔ اندر داخل ہونے پر ہی دیکھ سکتا ہوں۔" ڈوسانی بولا۔

"تو پھر۔ آپ اندر آ جائیں۔ لیکن کوئی نشان مٹانے کی کوشش نہ کیجیے گا۔" انسپکٹر نے کہا۔

"جی بہتر۔" ڈوسانی نے کہا اور اندر بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ غسل خانے میں گونجی۔ رنگ زرد پڑ گیا اور بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔

★

"کیا ہوا مسٹر ڈوسانی۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟" انسپکٹر

کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔
"ہاں! یہ میرا گم شدہ بھائی ہے۔"
"گم شدہ بھائی - کیا مطلب؟" سب چونک اٹھے۔
"ایک سال پہلے یہ اچانک گم ہو گیا تھا - شام کے وقت گھر سے نکلا اور پھر رات گئے تک لوٹ کر نہ آیا، میں نے اِدھر اُدھر تلاش کیا - اس کے دوستوں کو فون کیے، لیکن کچھ پتا نہ چلا - آخر میں نے پولیس میں رپورٹ درج کروائی - آج ایک سال گزرنے کے بعد میں اسے دیکھ رہا ہوں، لیکن کس حالت میں - جب کہ یہ مردہ پڑا ہے۔" ڈوسانی نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
"افسوس!" فاروق نے سرد آہ بھری۔
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک سال بعد آپ کا بھائی - اچانک واپس آیا تو آپ نے سوچا - اب اس کو جائیداد میں سے حصہ دینا پڑے گا - کیوں نہ ختم کر دیا جائے - نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔"
"جی نہیں - یہ بات نہیں ہے۔" ڈوسانی بولا۔
"ایک سال پہلے جب یہ غائب ہوئے تھے - تو کیا ان کا گھر میں کسی سے جھگڑا ہوا تھا؟" انسپکٹر نے پوچھا۔
"ہاں! یہ ٹھیک ہے - یہ اپنی بھابی سے کسی بات پر لڑ پڑا

تھا - اور غصے کی حالت میں گھر سے نکل گیا تھا، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی - اپنی بھابی سے یہ پہلے بھی کئی بار لڑ چکا تھا - لیکن گھر سے غائب کبھی نہیں ہوا تھا۔"
"آپ باہر آ جائیں - میرا عملہ تصاویر وغیرہ لے گا اور اپنا کام مکمل کرے گا۔" انسپکٹر نے خود بھی باہر نکلتے ہوئے کہا - ڈوسانی بھی باہر نکل آیا - اس کے نکلتے ہی محمود، فاروق اور فرزانہ اندر داخل ہو گئے -
"ارے ارے - یہ کیا - نکلیے باہر۔" انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔
"کیوں جناب - کیا ہم لاش کا معائنہ نہ کریں؟"
"تم معائنہ کرنے والے ہو کون - یہ پولیس کا کام ہے۔"
"ہم مسٹر ڈوسانی کے دوست ہیں - اس لحاظ سے ان کے بھائی کے بھی دوست ہوئے - ہمارے دوست قتل ہو گئے ہیں اور ہم ان کی لاش کا جائزہ تک نہ لے سکیں - یہ کہاں کا انصاف ہے؟"
"آپ - آپ لوگ چیز کیا ہیں؟" انسپکٹر نے جلے کٹے انداز میں کہا -
"بہت کام کی چیز ہیں۔" فاروق مسکرایا۔
"کہیں مجھے آپ لوگوں کو بھی گرفتار نہ کرنا پڑے - آپ کوئی شہادت ضائع کرنے کے چکر میں تو نہیں ہیں۔"

"ارے نہیں - ایسی کوئی بات نہیں۔" محمود نے کہا اور لاش کی پیشانی کو چھو کر دیکھا - دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں پھیل گئیں -

"کیوں محمود - کیا ہوا؟" فرزانہ بولی۔

"پیشانی کو چھو کر دیکھ لو - معلوم ہو جائے گا۔" اس نے کہا -

فرزانہ اور فاروق نے بھی پیشانی کو ہاتھ لگا کر دیکھا - اور حیران رہ گئے -

"کیا بات ہے - یہ تم لوگ حیران رہ جانے کی ایکٹنگ کیوں کر رہے ہو۔" انسپکٹر نے منہ بنایا۔

"آپ بھی تھوڑی سی ایکٹنگ کر گزریں۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"پیشانی کو چھو کر دیکھ لیں - ایکٹنگ پر مجبور ہو جائیں گے -"

"ایسا نہیں ہو گا۔" اس نے جھلا کر کہا اور ایک بار پھر اندر داخل ہو گیا - پھر جوں ہی اس نے لاش کی پیشانی کو چھوا اچھلے بغیر نہ رہ سکا -

"کیوں جناب - یہ کیا - ایکٹنگ۔" فاروق کے لہجے میں شوخی تھی -

"ن - نہیں - یہ ایکٹنگ نہیں ہے۔"

"تب پھر ہم بھی ایکٹنگ نہیں کر رہے تھے - آخر لاش اس قدر سرد کیوں ہے۔" محمود نے پُر زور لہجے میں کہا -

"مرنے کے بعد آدمی کا جسم سرد ہی ہو جایا کرتا ہے۔"

"لیکن میرے خیال میں اتنا سرد نہیں ہو جاتا - اور پھر خُون ابھی تک بہ رہا ہے - کیا یہ بات بھی عجیب نہیں ہے۔" فرزانہ بولی -

"پتا نہیں - ڈاکٹر صاحب ہی بتائیں گے - یہ بات عجیب ہے یا نہیں - آئیے ڈاکٹر صاحب - لاش کا معائنہ کریں۔"

"آپ لوگ باہر آ جائیں گے تو معائنہ کروں گا نا۔" ڈاکٹر نے باہر سے کہا -

"اوہ ہاں - چلیے جناب - آ جائیے باہر۔"

وُہ باہر نکل آئے - اب ڈاکٹر اندر داخل ہوا - اس نے لاش کا معائنہ شروع کیا - اور پھر چند منٹ بعد سیدھا ہوتے ہوئے بولا :

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا جسم کافی سرد ہے - لیکن موسم بھی تو سرد ہے - یہ موسم کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے - مکمل رپورٹ پوسٹ مارٹم کے بعد لکھ سکوں گا۔"

"گولی چلے قریباً آدھ گھنٹا ہو گیا ہو گا - کیا خُون اتنی دیر

تک رس سکتا ہے؟" محمود نے سوال کیا۔

"نہیں۔ لیکن بعض حالتوں میں رس بھی سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"اور وہ بعض حالتیں کون سی ہیں؟"

"گولی کچھ اس انداز سے لگی ہو کر خون بہت باریک نالی سے نکل رہا ہو۔ اس صورت میں دیر لگ سکتی ہے۔"

"خیر جناب۔ آپ لوگ اپنا کام مکمل کرائیں۔ ہم ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔"

یہ کہہ کر محمود نے ڈوسانی کا ہاتھ پکڑا اور برامدے کے دوسرے سرے تک لے آیا:

"ہاں! اب بتایئے۔ یہ سب کیا ہے؟" اس نے کہا۔

"کیا مطلب۔ میں کیا بتاؤں۔ جو کچھ بتا سکتا تھا۔ پہلے ہی بتا چکا ہوں۔"

"جو کچھ سچ ہے۔ وہ بتا دیں۔ تاکہ ہم آپ کے کام آنے کی کوشش کر سکیں۔ پولیس آپ کو گرفتار کر کے اسی وقت لے جائے گی۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے مردہ سی آواز نکلی۔

"جلدی کریں۔ آپ کے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"لیکن میں کیا بتاؤں۔ ایک سال بعد بھائی کی شکل دکھائی

دی ہے۔ وہ بھی مردہ حالت میں۔ اور میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تب پھر۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کا بھائی گھر کے اندر کس طرح آ گیا۔ اور اس پر گولی کس نے چلائی۔ آپ تو انکار کرتے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔ وہ اندر کس طرح داخل ہوا۔ گھر کے دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند تھے۔ اور اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ یوں بھی اگر وہ گھر واپس آیا تھا تو اسے چوروں کی طرح اندر داخل ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ باقاعدہ دستک دے کر اندر آتا۔"

"ہوں۔ یہی ہمارا خیال ہے۔ گویا ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ اندر کس طرح داخل ہوا۔ دوسرے یہ کہ پستول کے دستے پر کسی کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں یا نہیں۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ جب کہ ان حالات میں آپ کا بہت کچھ کہنا ضروری ہے۔ ورنہ آپ کو جیل جانے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"میرے لیے۔ کچھ کریں۔ میرے بیوی بچے بے موت مارے جائیں گے۔"

"ہم سے جو ہو سکے گا، ضرور کریں گے، مشکل یہ ہے کہ

آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر رہے ۔ اچھا خیر۔ آپ کے بھائی
کا نام کیا تھا؟"
"راجا۔" اس نے کہا۔
"مسٹر راجا آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے؟"
"ہاں! یہ میرے ساتھ ہی کاروبار میں شریک تھا۔"
"آپ کام کیا کرتے ہیں؟"
"ہم نے بنیان بنانے کی ایک چھوٹی سی فیکٹری کھول رکھی
ہے۔" اس نے بتایا۔
"تو آپ دونوں بھائی ۔ فیکٹری میں خود بھی کام کرتے ہیں؟"
"ہاں بالکل!"
"اور یہ فیکٹری والد کے سرمائے سے چالو کی گئی ہے یا
آپ نے اپنی محنت سے بنائی ہے؟"
"جی نہیں ۔ والد صاحب ہی یہ کام شروع کر کے دے گئے
تھے۔"
"مطلب یہ کہ چھوٹا بھائی ۔ کاروبار میں برابر کا شریک تھا۔"
"ہاں! یہی بات ہے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔" ڈوسانی نے
کہنا چاہا۔
"آپ مطلب کی بات جانے دیں ۔ مطلب نکالنے میں ہم کافی
ماہر ہیں ۔ آپ نے بھائی کی گم شدگی کی رپورٹ درج کروائی تھی

کون سے تھانے میں؟"
"ابھی انسپکٹر صاحب کے تھانے میں، لیکن اس تھانے میں اس
وقت یہ نہیں تھے۔"
"خیر۔ وہ تو ریکارڈ نکلوا کر دیکھ لیا جائے گا۔ اب ایک ضروری
سوال ۔ ہم سے جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ یہ پستول آپ
کا اپنا ہے؟"
"ہرگز نہیں ۔ میں نے کبھی پستول نہیں خریدا۔" اس نے پُرزور
لہجے میں کہا۔
"خیر۔ اگر یہ قتل آپ نے نہیں کیا تو ہم آپ کو قاتل ثابت
نہیں ہونے دیں گے ۔ اس طرف سے تو آپ ہو جائیں بے فکر۔
لیکن اگر جرم آپ نے ہی کیا ہے تو پھر ہم کچھ بھی نہیں
کر سکیں گے۔"
"میں آپ کو یقین کس طرح دلاؤں۔"
"یقین دلانے کی کوشش نہ کریں ۔ مسٹر راجا کے کچھ دوستوں کے
نام بتا سکتے ہیں آپ؟"
"ہاں ۔ کیوں نہیں ۔ اس کے ایک دوست کا نام جالب مکرانی
ہے ۔ یہ ۲۰۹۔ جان روڈ پر رہتا ہے ۔ دُوسرے دوست کا نام
ایاز بادو ہے ۔ ۵۱۳ گرین ٹاؤن پتا ہے ۔ اور تیسرے دوست
کا نام قمر خان ہے ۔ قمر خان یہیں رہتا ہے۔"

"ایک آخری سوال - جب آپ نے اپنے بھائی کی گم شدگی کی رپورٹ درج کروائی تھی تو کیا پولیس آپ کے بھائی کی تلاش میں ادھر آئی تھی اور کیا اس نے آپ کے گھر کی بھی تلاشی لی تھی"

"میرے گھر کی تلاشی - بھلا میرے گھر کی تلاشی وہ کیوں لیتی میرا تو اپنا بھائی گم ہوا تھا اور میں نے ہی رپورٹ درج کروائی تھی" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہوں - ٹھیک ہے"

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی - انسپکٹر کے عملے کا ایک آدمی چلا آ رہا تھا - وہ ڈوسانی کی انگلیوں کے نشانات لے کر چلا گیا - تھوڑی دیر بعد انسپکٹر آیا اور نزدیک آتے ہی بولا:

"مبارک ہو مسٹر ڈوسانی"

"جی - مبارک - کیسی مبارک کیا میں بے گناہ ثابت ہو گیا؟"

"نہیں - بلکہ آپ قاتل ثابت ہو گئے"

سیڑھی

"جی - یہ آپ کیا فرما رہے ہیں - مم - میں اور قاتل ثابت ہو گیا ہوں" ڈوسانی نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"ہاں! بالکل یہی بات ہے"

"لیکن کس طرح -"

"پستول پر ان کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں"

"نن - نہیں - یہ - یہ غلط ہے" ڈوسانی چلا اٹھا۔

"اب یہ بات غلط کس طرح ہو سکتی ہے - پستول پر آپ کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں - اس کی باقاعدہ تصاویر لی گئی ہیں - پستول پر گریفائٹ پاؤڈر چھڑک کر نشانات ابھارے گئے ہیں - آخر اس میں نہ ہونے والی کون سی بات رہ جاتی ہے - آپ برابر انکار کیے جا رہے ہیں، لیکن دنیا کا کوئی قانون اور عدالت آپ کو بری نہیں کر سکتی"

"اُف مالک - میں بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں پھنس گیا -

یہ سب کچھ کیا دھرا میری بیگم کا ہے ۔ میں نے اس سے کتنی بار کہا ۔ میرے بھائی سے لڑا جھگڑا نہ کر ۔ لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی ۔ افسوس ! اب میں بے گناہ پھانسی پر چڑھ جاؤں گا ۔"

"بے گناہ ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔ آپ تو مکمل قاتل ہیں ۔ کوئی بڑے سے بڑا اور ماہر سے ماہر وکیل بھی آپ کو نہیں بچا سکتا ۔ قتل کا مقصد بھی موجود ہے ۔ تمام شہادتیں بھی آپ کے خلاف ہیں ۔" پولیس انسپکٹر نے جلدی جلدی کہا ۔

"اللہ مالک ہے جناب ۔ آپ فکر نہ کریں ۔ ہم آپ کو بے گناہ ثابت کریں گے ۔ بشرطیکہ آپ بے گناہ ہوئے ۔" فاروق بول اٹھا ۔

"کیا مطلب ۔ آپ ثابت کریں گے ۔ آپ ہیں کون ؟" انسپکٹر نے حیرت زدہ لہجے میں کہا ۔

"ہم کوئی بھی ہیں ۔ آپ شاید اس شہر میں بالکل نئے ہیں ۔"

"ہاں ! اس میں تو خیر کوئی شک نہیں ۔ میں ایک دور دراز کے شہر سے آیا ہوں ۔ خیر تم لوگوں کی بھی گواہی لی جائے گی ۔ اپنے بیانات لکھوا دو ۔"

"ضرور کیوں نہیں ۔"

"کمرۂ واردات کے سامنے برآمدے میں چلے جائیں ۔ وہاں میرا اسسٹنٹ بیانات لکھ رہا ہے ۔"

"جی بہتر !" فاروق نے کہا اور تینوں برآمدے میں آ گئے ، انھوں نے مختصر ترین بیانات لکھوائے ۔ ادھر انسپکٹر کا ماتحت انھیں برابر گھورے جا رہا تھا :

"آپ نے ابھی تک اپنے نام نہیں لکھوائے ۔" اس نے کہا ۔

"محمود ، فاروق اور فرزانہ ۔"

"اوہ ۔ کیا آپ انسپکٹر جمشید صاحب کے بچے ہیں ؟"

"پہچاننے کا شکریہ ۔"

"اوہ !" اس کے منہ سے نکلا ۔ پھر وہ تیزی سے اٹھا اور ادھر چلا گیا ۔ جہاں انسپکٹر موجود تھا ۔ جلد ہی انسپکٹر بھی تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں آ گیا :

"آ ۔ آپ ۔ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں ؟"

"جی ہاں !"

"اوہ ۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا ۔"

"پہلے آپ نے ہمارے نام کب پوچھے تھے ۔ اور والد کا نام کب پوچھا تھا ۔" فاروق نے منہ بنایا ۔

"ہاں! یہ بات بھی ہے۔ تب تو ہمیں معاف کر دیں۔ ہم آپ سے کافی سخت لہجے میں بات کرتے رہے ہیں۔"

"اس میں آپ کا کیا قصور۔ ہمارے مُلک کی پولیس کا لہجہ نرم ہے ہی نہیں۔"

"ہم۔ مجھے افسوس ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"ہم مسٹر ڈوسانی کو گرفتار کر کے لے جانے پر مجبور ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ اپنا فرض پورا کریں۔ آئیے۔"

سب لوگ ڈوسانی کے پاس آئے۔ وُہ سر جھکا کر بیٹھا تھا:

"مسٹر ڈوسانی۔ اب یہ لوگ آپ کو لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر ان کے ساتھ جائیں۔ ان شاء اللہ شام سے پہلے ہم آپ کو حوالات سے نکلوا لیں گے۔"

"کیا واقعی۔ یہ۔ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اگر آپ نے جرم نہیں کیا تو ایسا ضرور ہو گا۔"

"میں نے سُنا ہے، آپ لوگ انسپکٹر جمشید صاحب کے بچے ہیں؟"

"آپ نے غلط نہیں سُنا۔"

"تب تو یہ۔ اللہ کا مجھ پر احسان ہو گیا۔" ڈوسانی نے کہا۔

"اگر آپ اپنے بیوی بچّوں سے ملنا چاہیں تو مل لیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں ضرور۔ انھیں دلاسا تو دینا ہو گا۔" ڈوسانی نے جلدی سے کہا۔

"اگر آپ پسند کریں تو ہمیں بھی ان کے پاس لے چلیے۔ ہم انھیں اطمینان دلانے کی کوشش کریں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں۔"

وُہ اندرونی کمرے میں آئے۔ اب تک ڈوسانی کے بیوی بچّوں کو سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ اور وُہ دبی آواز میں رو رہے تھے۔ بچّے تو ابھی بہت چھوٹے تھے؛ تاہم انھیں اتنا شعور تھا کہ گھر میں ہونے والے حادثے کو سمجھتے تھے۔ انھیں دیکھ کر وُہ زور سے رونے لگے۔

"میرا خیال ہے۔ رونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے جرم نہیں کیا۔ ادھر دیکھو بیگم۔ انسپکٹر جمشید کے بچّوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کے لیے بھیج دیا ہے۔ یہ لوگ اصل راز سے پردہ ہٹا دیں گے اللہ نے چاہا تو۔"

روتے ہوئے تین چہرے ان کی طرف گھوم گئے، پھر ان کی آنکھوں میں بھرے ہوئے آنسوؤں میں امید کی چمک پیدا ہو گئی اور یہ چمک لیے وُہ آنسو زمین پر گر گئے۔

★

پولیس کے ڈوسانی اور لاش کو لے جانے کے بعد وہ برامدے میں آ گئے۔

"سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قاتل اندر کس طرح داخل ہوا۔" فاروق

"قاتل۔ یا مقتول۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"چلو۔ یہی سہی۔ مقتول اندر کس طرح داخل ہوا۔ بقول ڈوسانی۔ دروازے اندر سے بند تھے۔ بند دروازوں کے باوجود مقتول یا قاتل اندر ضرور داخل ہوا ہے۔ کس طرح۔ یہ ہمیں معلوم کرنا ہے۔"

"اور ادھر ابا جان اور امی جان ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" فاروق نے یاد دلایا۔

"اوہ ہاں! پہلے تو انھیں فون کرنا چاہیے۔"

محمود نے گھر کے ٹیلی فون نمبر ڈائل کیے۔ سلسلہ ملتے ہی وہ بولا:

"ہیلو ابا جان۔ ہمیں قتل کی ایک واردات نے گھیر لیا ہے، ہم جلد گھر نہیں آ سکیں گے۔"

"اگر کوئی اہم معاملہ ہے تو میں بھی آ جاتا ہوں۔"

"معاملہ حد درجے اہم۔ سنگین اور الجھا ہوا ہے۔"

"تب پھر میں بھی آ رہا ہوں۔ پتا بتاؤ۔"

"مسٹر ڈوسانی۔ رؤف آباد۔"

"ہائیں۔ تم رؤف آباد کس طرح پہنچ گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی بس۔ آج سیر کرنے ادھر ہی نکل آئے تھے۔ اور اچھا ہی ہوا۔ ورنہ بے چارے ڈوسانی مشکل میں پھنس گئے تھے۔" محمود نے کہا۔

"میں آ رہا ہوں۔ وہیں آ کر حالات سنوں گا۔"

"شکریہ ابا جان۔ ہم بھی آپ کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ یہ بھی اچھی بات ہے کہ آج جمعہ ہے۔ نہ آپ کو سکول جانا ہے اور نہ ہمیں دفتر۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہائیں۔ کیا کہا تم نے۔ مم۔ مجھے سکول نہیں جانا۔"

"اوہ۔ الٹ منہ سے نکل گیا۔" محمود گھبرا گیا۔

"کیس نہ الٹ سمجھ بیٹھنا۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"ابا جان کے آنے سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ قاتل

یا مقتول اندر کس طرح داخل ہوا۔ اُٹھو۔"

وُہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اب انھوں نے پورے مکان کا جائزہ لیا۔ ایک ایک کمرہ۔ اور اس کے ایک ایک حصّے کو دیکھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں کا جائزہ لیا۔ آخر فرزانہ نے کہا:

"اب ہمیں چھت کا بھی جائزہ لے لینا چاہیے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ ضرور یہ شرارت چھت کی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"لو بھئی محمود۔ اب چھتیں بھی شرارتیں کرنے لگیں۔" فرزانہ مُسکرائی۔

"اوہ! فاروق کا کیا بنے گا۔" محمود بوکھلا اُٹھا۔

"وُہی بنے گا جو اللہ کو منظور ہوگا۔ کام کی بات کرو۔" فاروق جل گیا۔

"کام کی بات چھت پر جا کر کریں گے۔" محمود نے کہا اور زینے کی طرف مُڑ گیا۔

تینوں چھت پر آئے۔ چاروں طرف کا جائزہ لیا، نیچے سے اوپر آنے کا کوئی راستا نظر نہ آیا۔

"اگر کوئی پہلے چھت پر چڑھا ہے تو سوائے سیڑھی لگا کر چڑھنے کے اس کے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اور اس کا

ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے کہ وُہ ضرور کوئی آس پاس کا آدمی تھا۔ اس نے گھر سے سیڑھی اُٹھائی۔ دیوار سے لگائی اور چھت پر آگیا، پھر سیڑھی اوپر کھینچ لی اور گھر کے صحن میں رکھ دی۔ اس طرح وُہ صحن میں پہنچ گیا۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"غلط۔ بالکل غلط۔" محمود چلّا اُٹھا۔

"تمھیں کیا ہو گیا۔ چیخ کیوں رہے ہو؟"

"سُنو بھئی۔ اس طرح اوپر آنے والا واپس نہیں گیا۔ اندر آکر مارا گیا، پھر وُہ سیڑھی کہاں گئی؟"

"ہاں واقعی۔ فرزانہ۔ یہ بات بھی ہے۔" محمود مُسکرایا۔

"تم لوگوں میں بس یہی بڑا بھاری عیب ہے۔"

"کک۔ کون سا عیب؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ کہ پوری بات سُنتے نہیں۔ درمیان میں بول پڑتے ہیں۔"

"ارے۔ تو تمھاری بات ابھی مکمّل نہیں ہوئی تھی۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں!" اس نے بھنّا کر کہا۔

"اب ہمیں کیا معلوم تھا۔ خیر۔ اب مکمل کر لو۔"

"شکریہ۔ ہاں تو وُہ صحن میں پہنچ گیا۔ اور مارا گیا۔ کس کے ہاتھ سے مارا گیا، فی الحال ہم اس بات کو نہیں چھیڑتے،

بس ۔ وُہ مارا گیا ۔ اور قاتل فرار ہو گیا ۔ اب مسٹر ڈوسانی
نے یہ سارا منظر دیکھا تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے ۔
اسے اور تو کچھ نہ سوجھی ۔ سیڑھی اُٹھا کر جنگل میں پھینک
دی اور چُپ کر کے بیٹھ گیا ۔ ادھر قاتل نے یہاں سے نکلنے
کے بعد فائر کر دیا ۔ ہوائی فائر ۔ اصل فائر تو وُہ پہلے ہی
کر چکا تھا ۔"

"اس نے فائر کیوں کیا ؟"

"اس لیے کہ قتل کا یہ پروگرام تو وُہ پہلے ہی بنا چکا
تھا ۔ اسی لیے آٹھ دس روز بعد ایک عدد ہوائی فائر ضرور
کرتا تھا ۔ اور آبادی کے لوگوں کو اس نے پہلے ہی یہ یقین
دلا دیا تھا کہ ڈوسانی پاگل ہو گیا ہے ۔ یہ فائر وُہی کرتا
رہتا ہے ۔ اور یہی اس کا پروگرام تھا کہ پوری آبادی
والے پولیس کو یہی بیان دیں کہ یہ کام ڈوسانی کے علاوہ
کسی کا نہیں ہو سکتا ۔"

"ہُوں ، لیکن مُشکل ایک اور ہے ۔" فاروق نے طنزیہ لہجے
میں کہا ۔

"بتاؤ ۔ کیا مُشکل ہے ؟"

"مقتول ۔ یعنی راجا تو ایک سال پہلے گم ہو گیا تھا ۔
وُہ کہاں سے نکل آیا اور کیوں ؟"

"یہی بات مجھے چکرا رہی ہے ۔ خیر ایک بات سمجھ میں
آتی ہے ۔ یہ کہ ایک سال بعد راجا نے کسی سلسلے میں مسٹر
ڈوسانی سے ملنا چاہا ۔ بلکہ صاف کہوں ۔ اپنا حصّہ وصول
کرنے کے لیے ملنے کا پروگرام بنایا ، لیکن چُوں کہ وُہ ایک
سال سے غائب تھا ۔ کیوں غائب تھا ۔ اس بات کو
ابھی رہنے دو ۔ ہاں تو وُہ ایک سال سے غائب تھا ۔
اس لیے دن کی روشنی میں یہاں نہ آیا ۔ اس نے آنے
کے لیے رات کی تاریکی کا سہارا لیا ۔ اس نے دروازے
پر دستک دی ۔ بھائی نے دروازہ کھولا اور اپنے گم شُدہ
بھائی کو دیکھ کر حیران رہ گیا ۔ اسے اندر داخل کر کے
اس نے دروازہ بند کر لیا ۔ ادھر کوئی پہلے ہی راجا کی
تاک میں تھا ۔ اور اسی دن کے انتظار میں تھا کہ کسی
روز وُہ اپنے بھائی کے گھر میں داخل ہو اور وُہ اپنا کام کر
گزرے ۔ اسی سلسلے میں اس نے فائرنگ کا سلسلہ شروع
کر رکھا تھا ۔ تاکہ جس روز بھی وُہ کامیاب ہو ۔ پولیس اس
کے بارے میں سوچے بھی نہ ۔ بس ڈوسانی کو گرفتار کر کے
لے جائے ۔" فرزانہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی ۔

"ہوں ۔ فرزانہ کی یہ تفصیل تو دل کو لگتی ہے ۔" محمود نے
کہا ۔

"چلو شکر ہے۔ کوئی بات تو دل کو لگی۔ ورنہ میں تو
یہ خیال کر رہا تھا کہ اب آئندہ زندگی میں تمہیں فرزانہ کی کوئی
بات اچھی لگے گی ہی نہیں۔"

"اب سوال یہ ہے کہ۔ وہ کون تھا۔ جس نے راجا کو
قتل کیا اور اسے کیا ضرورت تھی ایسا کرنے کی۔" محمود نے جیسے
فاروق کا جملہ سنا ہی نہیں۔

"اور یہ ضرورت اگر کسی کو ہو سکتی ہے تو صرف ڈوسانی کو
تاکہ نصف حصّہ نہ دینا پڑے۔"

"تت۔ تو کیا۔ ڈوسانی ہی قاتل ہے۔"

"یہی ہمیں معلوم کرنا ہے کہ ڈوسانی قاتل ہے یا نہیں۔
اگر نہیں ہے تو پھر کون ہے۔ کوئی اور ہے تو کیوں ہے
اسے راجا سے کیا دشمنی تھی۔"

"ایک اور بات۔ راجا ایک سال تک کہاں رہا۔" فاروق
بول اُٹھا۔

"ہاں! یہ بھی ایک بہت اہم سوال ہے۔" محمود نے اس
کی تائید کی۔

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ۔" فرزانہ کہتے کہتے رک
گئی۔

"کیا ہو سکتا ہے۔ جملے کی ٹانگ نہ توڑا کرو۔"

"تم لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے ایسا کرنا پڑتا ہے۔"

"چلو بتاؤ بھی۔ کیا ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ قاتل ڈوسانی کو قتل کرنے آیا ہو۔ اور قتل
ہو گیا ہو راجا۔"

"اس صورت میں ڈوسانی کو کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔
اور اگر پولیس کو نہیں بتا سکتا تو کم از کم ہمیں تو بتا ہی سکتا
ہے۔"

"خیر۔ اس سے بھی دوبارہ ملاقات کریں گے، کیوں نہ ہم
سیڑھی کے امکان کا جائزہ لے لیں۔ اگر سیڑھی لگائی گئی ہے تو
دیوار پر اس کے نشانات ضرور ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ آؤ۔"

وہ نیچے اُترے اور کوٹھی سے باہر آئے۔ اب انھوں نے
چاروں طرف کی دیواروں کا جائزہ لیا۔ پچھلی دیوار پر انھیں رگڑ
کے نشانات نظر آ گئے۔

"بالکل تازہ نشانات نظر آتے ہیں۔" محمود بڑبڑایا۔

"تب پھر۔ سیڑھی استعمال کی گئی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"گویا۔ مجرم اس آبادی کا ہی کوئی فرد ہے۔ اور وہ قمر خان
کے سوا بھلا کون ہو گا۔" فرزانہ نے نتیجہ نکالا۔

"اس قدر جلد فیصلہ نہ کرو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ قمر خان راجا کا دوست تھا
بستی میں اور کسی سے راجا کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہو سکا۔"

"دوست تو پھر دو اور ہیں۔ جالب اور ایاز۔"

"لیکن وہ اس بستی کے نہیں۔ اور سیڑھی کا استعمال بتاتا ہے کہ مجرم کا تعلق آس پاس کے کسی گھر سے ہے۔"

"ہوں۔ تو پھر چلو۔ قمر خان سے مل لیں۔"

"اور ادھر ابا جان آنے والے ہوں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ وہ یہاں آکر اپنا کام شروع کر لیں گے۔ ہمیں اپنا کام جاری رکھنا چاہیے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

وہ پھر اندر آئے۔ گھر سے اب سسکیوں کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔ وہ سسکیوں والے کمرے تک پہنچ گئے:

"سنیے۔" محمود بولا۔

سسکیاں رک گئیں۔ بیگم ڈوسانی نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہم ذرا قمر خان کے گھر تک جا رہے ہیں۔ ہمارے والد صاحب یہاں پہنچنے والے ہیں۔ انھیں بتا دیجیے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" بیگم ڈوسانی نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے یہ کس قدر عجیب بات ہے۔ کہ دوست کے قتل

کی خبر ملنے پر بھی قمر خان یہاں نہیں آیا۔"

"وہ ہم سے نہیں بولتا۔ ہمارے گھر نہیں آتا۔"

"کیوں؟" محمود چونک کر بولا۔

"جن دنوں وہ گم ہوا تھا۔ قمر خان ہمارے گھر آیا تھا اور ڈوسانی صاحب سے جھگڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ راجا کو خود ڈوسانی صاحب نے کہیں غائب کیا ہے۔ تاکہ آدھا حصّہ نہ دینا پڑے۔ اس بات پر دونوں میں خوب جھگڑا ہوا اور پھر قمر خان چلا گیا۔ اس روز کے بعد وہ ہمارے ہاں نہیں آیا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پھر وہ گھر سے نکل آئے اور قمر خان کی کوٹھی تک پہنچ گئے۔ کوٹھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ چھوٹی سی، لیکن خوبصورت کوٹھی کو دیکھ کر انھوں نے تعریفی انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر محمود نے گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا۔ آدھ منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک نوجوان آدمی کا چہرہ دکھائی دیا۔

"میں جانتا تھا۔ آپ لوگ میرے پاس آئیں گے۔ آس پاس کے لوگوں سے مجھے ساری بات معلوم ہو گئی ہے۔"

"ہوں! لیکن آپ کو دوست کی موت پر تو آجانا چاہیے

تھا۔ ایسے میں مسٹر ڈوسانی کوئی اعتراض نہ کرتے۔"

"ڈوسانی کا چہرہ دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ میں اس پر جھپٹ پڑتا۔ اسی نے راجا کو قتل کیا ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"اندر آ جائیے۔ بیٹھ کر بات کریں گے۔ گزرنے والے ہمیں گھور رہے ہیں۔ اب تو نہ جانے کتنے دن لوگ مجھے گھوریں گے۔"

"ہوں۔ بات تو ٹھیک ہے۔"

وہ انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کمرہ قیمتی چیزوں سے سجا ہوا تھا۔ دیواروں پر تصاویر کے فریم بھی لگے ہوئے تھے۔ ان میں ایک تصویر راجا کی بھی تھی۔ ان کی نظریں تصویر پر جم گئیں۔

"یہ ہے میرے مقتول دوست کی تصویر۔ بے چارہ۔" قمر خان بڑبڑایا۔

"آپ کا دوست ایک سال پہلے اچانک غائب ہو گیا تھا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ وہ کہاں غائب رہا؟"

"نہیں۔ مجھے نہیں معلوم۔"

"گویا اس ایک سال کے دوران اس نے آپ سے رابطہ قائم نہیں کیا؟"

"بالکل نہیں۔ اگر کرتا تو میں اسے ضرور واپس لے آتا۔ بے شک وہ اپنے گھر نہ جاتا۔ میرے پاس رہتا۔ وہ بیگم ڈوسانی کے ہاتھوں بہت تنگ تھا۔ وہ ہر وقت اس سے لڑتی رہتی تھی۔ جس روز وہ غائب ہوا، اس روز بھی گھر میں لڑائی ہوئی تھی۔"

"گویا۔ گھریلو حالات پُرسکون نہیں تھے۔ اس کا اپنی بھابی سے جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ ہماری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔"

"میں۔ آپ مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں۔"

"نہ تو آپ یہ بتا سکے کہ ایک سال تک آپ کے دوست کہاں رہے۔ نہ یہ بتا سکے کہ ایک سال بعد وہ اچانک کہاں سے آ گیا۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"مجھے معلوم ہی نہیں تو بتاؤں کیسے؟"

"آپ کا تو ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔"

"بالکل نہیں۔ ہم تو بہت گہرے دوست تھے۔"

"ان کے دو اور دوست بتائے گئے ہیں۔ جالب اور ایاز۔ کیا آپ بھی ان کے دوست ہیں؟"

"نہیں۔ میری ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ ہاں راجا

ان کا کبھی کبھار ذکر ضرور کرتا تھا۔ دراصل وہ شطرنج کے بہت شوقین تھے۔ راجا ان کے گھر جاکر ان سے شطرنج کھیلا کرتا تھا۔"

"چلیے۔ ایک بات آپ سے معلوم ہو ہی گئی۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن شاید یہ بات ذرا بھی اہم نہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ لیکن نہ ہونے کے برابر تو نہیں ہے نا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تب تو اچھی بات ہے۔ آپ کو گلہ نہیں رہا۔"

"ایک بات اور۔ امید ہے، آپ بُرا نہیں مانیں گے۔"

"بُرا کیوں ماننے لگا۔"

"بات ذرا ایسی ہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ بے فکر ہو کر کہیں۔"

"ہم آپ کے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"کیا مطلب!" وہ اُچھل پڑا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس اسے ضابطے کی ایک کارروائی خیال کر لیں۔"

"کیا میں تلاشی دینے پر مجبور ہوں۔"

"ہم رواداری میں تلاشی لینا چاہتے ہیں۔ اگر آپ نے انکار

کیا تو وارنٹ حاصل کر کے بھی تلاشی لی جا سکتی ہے۔"

"ہوں۔ خیر۔ لے لیجیے تلاشی۔ لیکن آپ کو یہاں سے ملے گا کچھ نہیں۔ اس قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تب تو آپ اور بھی بے فکر ہو کر تلاشی دے سکتے ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ آئیے۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہم اپنا کام ڈرائنگ روم سے ہی شروع کیے دیتے ہیں۔"

"ضرور۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

انھوں نے پورے گھر کی باریک بینی سے تلاشی لی۔ قدم قدم پر انھیں احساس ہوا کہ پورے گھر کی چیزیں قیمتی ہیں۔ گھر میں ایک رنگین ٹی وی، ایک درمیانے سائز کا فرج، کئی بڑے بڑے ٹیپ ریکارڈر۔ شان دار قسم کی مسہریاں۔ صوفہ سیٹ اور برتنوں کے اعلیٰ درجے کے سیٹ موجود تھے، لیکن جس چیز کی انھیں تلاش تھی۔ وہ کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ اس کی تلاش میں وہ چھت پر بھی گئے۔

"افسوس ہے۔ ہمیں وہ چیز نہیں ملی۔" تلاشی کا کام مکمل کرنے کے بعد انھوں نے قمر خان کے نزدیک پہنچتے ہوئے کہا۔

"کیا چیز!" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ایک عدد سیڑھی۔"

"سیڑھی۔ کیا مطلب؟"

"جناب۔ سیڑھی کا مطلب تو سیڑھی ہی ہوتا ہے۔ وہ جو بانس کی بنی ہوتی ہے۔"

"اوہ۔ تو آپ کو سیڑھی کی تلاش تھی۔ مجھے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔" اس نے منہ بنایا۔

"کیوں۔ آپ کیا کرتے۔"

"میں سیڑھی لاکر آپ کے سامنے رکھ دیتا۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ کسی پڑوسی کی سیڑھی؟"

"نہیں۔ اپنی سیڑھی۔ پڑوس میں گئی ہوئی ہے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ۔ لیکن کب گئی تھی؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی لے کر گیا ہے۔ اسے اپنے گھر میں سفیدی کروانا ہے۔"

"گویا رات سیڑھی آپ کے گھر میں ہی تھی؟" محمود نے جلدی سے پوچھا۔

"ہاں! لیکن میں حیران ہوں۔ آپ سیڑھی کی فکر میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔"

"بات یہ ہے جناب۔ سیڑھی کے ذکر کے بغیر ہمیں رات

کو نیند نہیں آتی۔" فاروق مسکرایا۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"اب میں مطلب کس کس بات کا بتاؤں۔ آپ ایسا کریں۔ ہمیں سیڑھی کے پاس لے چلیں۔"

"آپ کو۔ میں۔ سیڑھی کے پاس لے چلوں۔" قمر خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔ بالکل!"

"آپ کا مطلب ہے۔ میں آپ کو اپنے اس پڑوسی کے گھر لے چلوں۔ جو سیڑھی لے کر گیا ہے۔ گویا آپ کو میری بات پر یقین نہیں آیا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمیں یقین آگیا ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"تب پھر آپ پڑوسی کے گھر کیوں جانا چاہتے ہیں۔" قمر خان نے حیران ہو کر کہا۔

"ذرا سیڑھی کا دیدار کریں گے۔"

"کیوں۔ کیا کبھی سیڑھی نہیں دیکھی۔" وہ جل بھن کر بولا۔

"ہاں! آپ کی سیڑھی کبھی نہیں دیکھی۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

اس نے برا سا منہ بنایا اور اٹھتے ہوئے بولا:

"آئیے۔"

یہ آئیے ایسے انداز میں کہا گیا جیسے لاٹھی ماری گئی ہو۔

وہ اس کے ساتھ باہر نکلے اور دو تین کوٹھیاں چھوڑ کر ایک کوٹھی کے دروازے پر آئے۔

قمر خان نے دستک دی۔ جلد ہی دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی نظر آیا:

"اوہو قمر خان صاحب فرمائیے۔"

"جی۔ وہ سیڑھی۔"

"سیڑھی۔ کیا مطلب۔ آپ کو بھی ضرورت پڑ گئی ہے سیڑھی کی۔ اتنی جلدی۔ ابھی ابھی تو ہم آپ سے لائے ہیں مانگ کر۔"

"مجھے نہیں۔ انھیں۔ لیکن یہ بھی لے کر نہیں جائیں گے، صرف دیکھیں گے۔"

"سیڑھی کو دیکھیں گے۔"

"جی ہاں! سیڑھی کو۔" قمر خان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آئیے جناب۔" اس نے کہا اور انھیں کوٹھی کے اندرونی حصّے میں لے گیا۔

وہاں واقعی سفیدی کی جا رہی تھی۔ انھوں نے سیڑھی کا جائزہ لیا اور واپس مڑ گئے۔

"بس۔ دیکھ لی۔" قمر خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔ دیکھ لی۔ آئیے چلیں۔"

"میں شاید بہت دنوں تک حیران ہی رہوں گا۔ آخر آپ کیا دیکھنا چاہتے تھے؟"

"سیڑھی کی لمبائی۔ ہم سراغ رساں ہیں۔ سمجھے جناب۔"

"ہاں! سمجھ گیا۔ لیکن سیڑھی کی لمبائی سے اس معاملے کا کیا تعلق ہے؟"

"ایک سیڑھی کے ذریعے مجرم اندر داخل ہوا تھا۔ پہلے اس نے سیڑھی ڈوسانی صاحب کی کوٹھی کی پچھلی دیوار سے لگائی اور چھت پر پہنچا، پھر سیڑھی کو اوپر اُٹھا لیا اور اس طرح صحن میں پہنچا۔ واردات کی اور باہر نکل گیا۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کہیں یہ سیڑھی تو استعمال نہیں کی گئی۔"

"ارے باپ رے۔" وہ بوکھلا اُٹھا۔

"اب آپ کے چہرے پر ہوائیاں کیوں اُڑنے لگیں۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ بات تو میں نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچی تھی۔"

"یا تو آپ بہت بڑے اداکار ہیں۔ یا پھر واقعی آپ نے

یہ بات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچی تھی۔"

"میں اداکاری نہیں کر رہا۔ ویسے آپ نے سیڑھی دیکھ کر کیا اندازہ لگایا ہے؟"

"یہ کہ۔ سیڑھی اتنی لمبی ہے کہ اس کے ذریعے ڈوسانی صاحب کی چھت پر پہنچا جا سکتا ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے ایک بار پھر نکلا۔

گڑھا

انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا۔ بیگم کو جلدی جلدی تفصیل بتائی۔ اکرام کو فون کیا۔ اور پھر جیپ لے کر رؤف آباد کی طرف چل پڑے۔ رؤف آباد کے نزدیک پہنچ کر وہ جیپ سے اتر آئے۔ اور پیدل آگے بڑھنے لگے۔ وہ سڑک کے دونوں طرف کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ اچانک دوسری طرف سے ایک کسان آتا نظر آیا:

"مسٹر ڈوسانی کی کوٹھی کس طرف ہے۔ بتا سکتے ہیں آپ؟"

"اس کو تو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔"

"ہوں! میں نے اس کے بارے میں نہیں۔ اس کی کوٹھی کے بارے میں پوچھا ہے۔"

"وہ اس طرف ہے۔ یہاں سے دائیں ہاتھ پانچویں کوٹھی۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انھوں نے کہا اور آگے بڑھے۔

کوٹھی کے نزدیک پہنچ کر بھی انھوں نے دروازے کا

رُخ نہیں کیا۔ پہلے اس کا چاروں طرف سے جائزہ لیا ۔
آس پاس لوگ کھڑے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ ان میں سے
کئی ایک نے ان کی طرف بھی دیکھا۔ لیکن انھوں نے کسی
کی طرف توجہ نہیں دی اور اپنے کام میں مصروف رہے ۔
ہر سمت کا جائزہ لینے کے بعد انہیں زمین پر کچھ قدموں
کے نشانات نظر آگئے۔ وُہ ان نشانات کے سہارے آگے
بڑھنے لگے اور درختوں سے نزدیک ہونے لگے۔ قدموں کے
نشانات بہت صاف تھے۔ اور آس پاس اور نشانات نہیں
تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی تک نہ تو پولیس والوں
نے ان نشانات کی طرف توجہ دی تھی اور نہ محمود، فاروق
اور فرزانہ نے ۔ وُہ آگے بڑھتے رہے ۔ ایک جگہ انھیں نصف
میٹر کے قریب لمبی لوہے کی ایک مضبوط سی پتری پڑی
نظر آئی ۔ ان کی نظریں اس پتری پر جم گئیں۔ لیکن ۔ انھوں
نے اسے ہاتھ لگانے کی کوشش نہیں کی۔ اسے جوں کا توں
چھوڑ کر آگے بڑھے ۔ دُوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ کچھ فاصلے
پر ایک اور ویسی ہی پتری پڑی نظر آئی۔ پہلی پتری کے
دونوں سروں پر دو دو سوراخ تھے۔ اس پتری کے دونوں
سروں پر بھی دو دو سوراخ تھے ۔ ان کی پیشانی پر بل
پڑ گئے ۔ ان پتریوں کی موجودگی ان کی سمجھ میں نہیں آئی

تھی۔ وُہ اور آگے بڑھے ، لیکن کوئی تیسری پتری نظر نہ آئی۔
جب کہ قدموں کے نشانات اب بھی آگے بڑھ رہے تھے،
وُہ وہیں رک کر سوچ میں ڈوب گئے ، پھر قدموں کے
نشانات چھوڑ کر وہ دائیں طرف چلنے لگے۔ اسی وقت
موٹر سائیکل کی آواز سُنائی دی۔ مُڑ کر دیکھا تو اکرام چلا آ
رہا تھا۔

"موٹر سائیکل وہیں روک دو اکرام ۔ کہیں قدموں کے یہ
نشانات ضائع نہ ہو جائیں" انھوں نے بلند آواز میں کہا۔

اکرام اُتر کر ان کی طرف بڑھا۔

"آؤ اکرام ۔ تمھیں ایک چیز دکھاؤں" انھوں نے کہا اور
اسے لے کر ان پتریوں کے پاس پہنچے ۔

"ان پتریوں کا کیا مقصد ہے سر؟" اکرام کے لہجے میں
حیرت تھی ۔

"پتا نہیں ۔ اب دیکھو ۔ قدموں کے نشانات برابر آگے
بڑھ رہے ہیں ۔ لیکن آگے کوئی پتری نہیں ہے"

"جی ہاں ! میں دیکھ رہا ہوں"

"آؤ اب دائیں طرف چلتے ہیں ، پھر بائیں طرف چل کر
دیکھیں گے"

"آپ کے ذہن میں کیا ہے۔ کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں؟"

"نہیں۔ ابھی تو میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں پتریاں یہاں زیادہ دنوں سے نہیں پڑی ہوئی ہیں۔ بلکہ آج کل میں پھینکی گئی ہیں، کیوں کہ صاف ستھری ہیں۔ زنگ آلود بھی نہیں ہیں۔"

"جی ہاں! یہ تو ہے۔"

وہ دائیں طرف بڑھے۔ اور کئی قدم آگے جا کر انہیں پھر ایک پتری پڑی نظر آئی:

"اوہو۔ یہ پتری۔ پہلی دو سے مختلف ہے۔ لمبائی تو اس کی بھی قریباً اتنی ہی ہے، لیکن یہ دونوں سروں پر سے تھوڑی مڑی ہوئی ہے۔ اور مڑی ہوئی جگہوں پر دو دو سوراخ موجود ہیں۔"

"حیرت ہے۔ آخر جنگل میں ان پتریوں کا کیا کام؟" اکرام کے منہ سے نکلا۔

"یہ جگہ اس کوٹھی کے نزدیک ہے۔ جس میں واردات ہوئی ہے۔"

"اوہ۔ لیکن پھر بھی ان پتریوں کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔"

"یوں کام نہیں چلے گا اکرام۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی۔ کیا مطلب؟" اکرام چونکا۔

"اپنے عملے کو بلا لو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اکرام نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالی اور ان کی جیپ کی طرف چل پڑا۔ ان کی جیپ کو آتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ وائرلیس کے ذریعے عملے کو ہدایات دے کر وہ واپس پلٹا۔ جوں ہی ان کے نزدیک پہنچا۔ انسپکٹر جمشید بولے:

"میں اب تک تین پتریاں اور تلاش کر چکا ہوں۔"

"اوہ!" اکرام کے منہ سے نکلا۔

قمر خان کو ہکا بکا چھوڑ کر وہ ڈوسانی کی کوٹھی کی طرف بڑھے:

"ابا جان اب تک آ چکے ہوں گے۔" محمود بولا۔

"ہاں۔ چلو ان سے بھی مشورہ ہو جائے گا۔" فرزانہ نے

کہا۔

ڈوسانی کی کوٹھی میں داخل ہوئے تو ان کے کانوں میں پھر سسکیوں کی آواز آئی، لیکن انھیں دیکھ کر بیگم ڈوسانی کی سسکیاں رُک گئیں۔

"ہمارے ابا جان نہیں آئے شاید اب تک؟"

"جی۔ جی نہیں۔"

"ہوں۔ شاید انھیں کوئی کام پڑ گیا۔ اب کیا کیا جائے؟"

"ان کا انتظار کرنے سے یہ بہتر ہے کہ مسٹر جالب اور مسٹر ایاز سے مُلاقات کر لی جائے، اس وقت تو وہ گھروں میں ہوں گے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ آؤ چلیں۔"

وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ چوں کہ گھر سے سیر کے لیے آئے تھے، اس لیے پیدل تھے۔ جلد ہی انھیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ ۳۰۹ جان روڈ پر اُتر کر محمود نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز سُنائی دی، لیکن ایک منٹ گزرنے پر بھی دروازہ نہ کھلا۔ محمود نے پھر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ آخر تیسری بار گھنٹی بجانے پر قدموں کی آواز سُنائی دی۔ اور دروازہ کھلا۔ انھوں نے دیکھا۔ دروازہ کھولنے والا سانولے رنگ کا ایک نوجوان آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں میں نیند بھری

ہوئی تھی:

"آپ اب تک سو رہے ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا بہت دن چڑھ آیا ہے؟"

"بہت تو نہیں۔ فجر کی نماز کب کی ہو چکی ہے۔ سورج بھی نکل چکا ہے۔"

"آپ ہیں کون اور مجھ سے کیا کام ہے؟"

"آپ جالب مکرانی ہیں نا۔"

"ہاں۔ بالکل ہوں۔ تو پھر۔"

"آپ کے دوست راجا کو کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"کیا کہا۔ راجا۔ کہاں ہے راجا۔ وہ تو ایک سال سے غائب ہے۔"

"اب ظاہر ہوا ہے تو مُردہ حالت میں۔ ڈوسانی صاحب کے گھر میں اس کی لاش ملی ہے۔"

"نن۔ نہیں۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"آپ اس کے دوست تھے نا؟"

"ہاں، لیکن ایک سال سے اس سے مُلاقات نہیں ہوئی۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"پولیس آپ کے پاس پہنچنے ہی والی ہو گی۔" محمود بولا۔

"پپ۔ پولیس۔ کیا مطلب۔ میرے پاس پولیس کیوں آنے

لگی۔"

"کیوں - آخر آپ اس کے دوست تھے۔"

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"آخر وہ آپ سے پوچھ گچھ تو کرے گی نا۔ ویسے قاتل کے طو
پر پولیس راجا کے بھائی مسٹر ڈوسانی کو گرفتار کر چکی ہے۔"
فاروق نے بتایا۔

"اور اس کے سوا قاتل ہو بھی کون سکتا ہے۔"

"ہوں - کیا آپ ہمیں ملاقات کا موقع نہیں دیں گے۔"

"آپ لوگوں نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔"

"ہم محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"اوہ - یعنی - انسپکٹر جمشید کے بچے۔" وہ جملہ مکمل نہ کر سکا۔

"ہاں! آپ ٹھیک سمجھے۔" فاروق مسکرایا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"چند سوال کریں گے - آپ کے گھر کا اندر سے جائزہ لیں
گے اور بس۔"

"آیئے۔" اس نے انھیں راستا دیا۔

"ایک سال پہلے - غائب ہونے سے پہلے - مسٹر راجا آپ
کے پاس آیا تھا؟"

"جس روز غائب ہوا، اس روز نہیں آیا تھا - اس سے

دو تین دن پہلے ضرور آیا تھا - اور ہم نے شطرنج کھیلی تھی۔"

"شطرنج - کیا آپ لوگ شطرنج کے بہت شوقین ہیں؟"

"ہاں بہت زیادہ۔"

"ایاز صاحب آپ کے بھی دوست ہیں؟"

"ہاں! اکثر ایاز بھی میرے ہاں شطرنج کھیلنے آجاتا ہے۔"

"ایاز صاحب کے گھر بھی تو جاتے ہوں گے آپ دونوں؟"

"ہاں کیوں نہیں - کبھی یہاں، کبھی وہاں۔"

"جس روز مسٹر راجا غائب ہوا - اس روز وہ ایاز صاحب
کے ہاں تو نہیں آیا تھا۔"

"نہیں - ایاز نے مجھے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔"

"شکریہ - آپ لوگوں کا آپس میں جھگڑا تو نہیں ہوا؟"

"نہیں!"

"آپ کے گھر میں اور کتنے افراد ہیں؟"

"میں اکیلا ہوں - میری بیوی فوت ہو چکی ہے - بچہ کوئی
ہوا ہی نہیں تھا - اب دوسری شادی کی فکر میں ہوں۔"

"شکریہ - تب تو آپ آسانی سے کوٹھی دکھا سکتے ہیں -
ہمیں۔"

"ضرور - لیکن آپ لوگ کوٹھی کیوں دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"بس یوں ہی - آخر ہم قتل کے ایک کیس کی تحقیقات

کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں بھی کچھ کرنا پڑے گا۔"

"آئیے۔ دکھا دیتا ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

وہ ایک ایک کمرہ اور کوٹھی کے دوسرے حصے دیکھتے پھرے، یہاں بھی سامان ہر لحاظ سے قیمتی تھا۔ بڑا سا رنگین ٹی وی۔ ایک بڑا ڈیپ فریزر۔ ایک فرج۔ دوسرا ساز و سامان بے تحاشا تھا۔ وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے:

"آپ اکیلے تو آدمی ہیں اور ساز و سامان اتنا جمع کر رکھا ہے۔"

"اکیلا تو اب ہوں نا۔ پہلے تو بیوی موجود تھی۔ ساز و سامان کا زیادہ تر حصہ وہ جہیز میں لائی تھی۔"

"ہوں۔ آپ کے گھر میں کوئی سیڑھی ہے؟"

"سیڑھی۔ میں سمجھا نہیں۔"

"حالاں کہ بہت عام سی بات ہے۔ مراد بانس کی سیڑھی سے ہے۔"

"جی نہیں۔ میرے ہاں سیڑھی نہیں ہے۔ یہاں سیڑھی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"آپ کام کیا کرتے ہیں؟"

"ریڈیو اور ٹی وی کے پرزوں کا کاروبار ہے میرا۔"

"گویا مالی اعتبار سے آپ بہت خوش قسمت ہیں۔"

"جی ہاں!" اس نے کہا۔

"اچھا جناب۔ اب ہم چلیں گے۔"

اس سے ہاتھ ملا کر وہ باہر نکلے اور پھر ایک ٹیکسی پکڑ کر ایاز بارو کے مکان پر پہنچے۔ مکان کوٹھی نما ضرور تھا، لیکن شان و شوکت کچھ نہیں تھی:

"یہ ضرور کم دولت مند آدمی ہے۔"

"ہاں! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی۔ ایک لمبے قد کے موٹے تازے آدمی نے دروازہ کھولا۔ اس کا لباس معمولی تھا۔ شکل صورت سے ملازم نظر آتا تھا:

"ہاں جناب۔ کیا بات ہے؟" اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"ہمیں مسٹر ایاز بارو سے ملنا ہے۔"

"کیا کام ہے؟"

"ان کے دوست راجا کا معاملہ ہے۔"

"اوہ۔ مسٹر راجا۔" ملازم نے چونک کر کہا۔

"تو آپ راجا صاحب کو جانتے ہیں؟"

"ہاں! مسٹر راجا ان کے اور جالب کرمانی صاحب کے دوست ہیں۔"

"تو آپ جالب صاحب کو بھی جانتے ہیں۔"

"جی ہاں! دراصل پہلے میں ان کے پاس مُلازم تھا۔ لیکن پھر بیوی کے فوت ہو جانے کے بعد گھر میں کوئی کام نہیں رہ گیا۔ انھوں نے مجھے مُلازمت سے نکال دیا۔ ایاز صاحب نے ترس کھا کر مجھے مُلازم رکھ لیا۔ ایاز صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔ کبھی کسی بات پر غصّہ نہیں کرتے۔"

"ہوں۔ بس تو ہم راجا صاحب کے سلسلے میں ایاز صاحب سے ملنے آئے ہیں۔"

"میں ابھی انھیں اطلاع دیتا ہوں۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔ آدھ منٹ بعد ہی اس کی واپسی ہوئی:

"چلیے جناب۔ وُہ ڈرائنگ روم میں ہی ہیں۔"

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میں خانو ہوں۔ ویسے اصل نام رمضان خان ہے۔"

"شکریہ!" محمود نے کہا۔

اس کے پیچھے چلتے ہوئے وُہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ یہاں درمیانی قدوقامت کا ایک آدمی بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ چہرے سے ہوشیاری اور چالاکی ٹپک رہی تھی۔ انھیں دیکھ وُہ اُٹھ کھڑا ہوا:

"راجا کے بارے میں آپ لوگوں کے پاس کیا اطلاع ہے۔ میں سُننے کے لیے بے چین ہوں۔"

"اسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔"

"کیا!" وُہ بُری طرح اُچھلا۔ آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"جی ہاں! اس کی لاش ڈوسانی کے گھر میں ملی ہے۔ ڈوسانی صاحب کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ ان کو گھر کی ایک الماری سے ایک پستول بھی ملا ہے۔ اس پستول پر اُنگلیوں کے نشانات بھی مل گئے ہیں۔"

"اوہ۔ ڈوسانی نے یہ کیا کیا۔ اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہاں ٹھیک ہے۔ دولت کا لالچ۔ اس نے سوچا ہوگا۔ اب نصف حصّہ راجا کو دینا پڑے گا، لیکن راجا اچانک وہاں کہاں سے آگیا۔ وُہ تو ایک سال سے غائب ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ سُنیے۔ میں آپ کو تفصیل سُنا دوں۔" محمود نے کہا اور ساری بات دُہرا دی۔

"افسوس! یہ بہت بُرا ہوا۔"

"ہاں! بُرا تو واقعی بہت ہوا۔"

"اس کی بھابی اس کی موت کا سبب بن گئی۔" ایاز بارو بڑبڑایا۔

"سُنا ہے۔ آپ لوگ اکثر شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ کبھی یہاں اور کبھی جالب صاحب کے گھر۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"مسٹر جالب کی بیوی کب فوت ہوئی؟"

"آٹھ نو مہینے کی بات ہے۔ نہیں شاید ایک سال ہو گیا ہے۔ ہاں یاد آیا۔ بیوی کے فوت ہونے کے بعد وہ کسی قدر پاگل ہو گیا تھا۔ ایک دن غصے میں آ کر اس نے خانو کو بھی ملازمت سے نکال دیا۔ بے چارہ روتا ہوا میرے پاس آیا تھا۔ میں نے ملازم رکھ لیا۔"

"اور اس سے پہلے آپ کا دوست راجا غائب ہو چکا تھا؟" محمود نے پوچھا۔

"جی ہاں! اس کی گم شدگی پر تو ہم آج تک حیران ہیں۔ اب وہ بے چارہ مر گیا ہے، لیکن گم شدگی کا راز آج تک معلوم نہیں ہو سکا۔"

"آپ کے گھر میں کوئی سیڑھی ہے۔ بانس کی۔"

"جی ہاں۔ کیوں؟"

"ہم ذرا اسے دیکھنا چاہتے ہیں اور پورے گھر کو بھی ایک نظر دیکھنا پسند کریں گے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ ہم مسٹر راجا کے قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"لیکن پولیس نے ڈوسانی کو گرفتار کر تو لیا ہے۔" ایاز نے کہا۔

"ہمیں یقین نہیں آیا کہ قتل انھوں نے کیا ہے۔"

"تب پھر۔ کیا آپ کے خیال میں قتل میں نے کیا ہے۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے، قاتل آپ ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"مذاق نہ کریں۔ میں بہت رنجیدہ ہوں۔ دوست کے مرنے کی خبر ملی ہے ابھی ابھی۔"

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے۔ خیر۔ آپ وہ سیڑھی ہمیں دکھا رہے ہیں یا نہیں اور مکان کی تلاشی بھی دینا پسند کریں گے یا نہیں؟"

"تو آپ باقاعدہ تلاشی لینا چاہتے ہیں؟"

"جی ہاں! اس لیے کہ بے قاعدہ تلاشی لینے کے ہم قائل ہی نہیں ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اور اگر میں تلاشی نہ دوں۔"

"تب ہمیں تلاشی کے وارنٹ لانا ہوں گے۔ تلاشی بہرحال آپ کو دینا پڑے گی۔"

"تب تو آپ تلاشی لے ہی لیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

وہ انہیں پہلے تو بانس کی سیڑھی کے پاس لے گیا ،
اس کی لمبائی دیکھ کر تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا،
پھر فرزانہ نے کہا:
" لمبائی تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس کے ذریعے مسٹر ڈوسانی
کی چھت پر چڑھا جا سکتا ہے۔"
"کیا مطلب!" ایاز بارو اچھل پڑا۔
"مطلب یہ کہ قتل کے لیے ہو سکتا ہے اس سیڑھی کو استعمال
کیا گیا ہو۔"
"آپ لوگوں کا دماغ چل گیا ہے، زبردستی مجھے قاتل بنائے
دے رہے ہیں۔"
"نہیں جناب ۔ زبردستی نہیں بنائیں گے ، بے فکر رہیں ، ہم
ہر کام میں سلیقے کو پسند کرتے ہیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔
"جی ہاں ! تفصیل ہم آپ کو سنا ہی چکے ہیں ۔ ہمیں یقین
ہے ۔ اس واردات میں ایک عدد سیڑھی ضرور کام میں لائی
گئی ہے۔" محمود پُر سکون لہجے میں بولا۔
" لائی گئی ہو گی ۔ وہ یہ سیڑھی نہیں ہے۔ اور پھر میں
اتنی دور اتنی لمبی سیڑھی کس طرح لے جاتا۔"
"جی ہاں ! یہ بات بھی ہے ۔ لیکن جب آدمی کے سر پر
دھن سوار ہو تو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے ۔ آپ دھن سوار ہونے

کا مطلب تو جانتے ہوں گے۔"
"میں اَن پڑھ نہیں ہوں۔" اس نے جل بھن کر کہا۔
" اس اطلاع کے لیے ہم شکر گزار ہیں ۔ اب ذرا مکان
بھی دکھا دیں ۔ سیڑھی تو ہم دیکھ چکے۔"
" چلیے۔" اس نے منہ بنایا۔
وہ ایک ایک کمرہ دیکھتے پھرے ۔ پورے مکان میں کہیں
بھی فضول خرچی کے آثار نظر نہیں آئے ۔ گھر میں صرف ضرورت
کی چیزیں موجود تھیں ۔ فرج اور ٹی وی جیسی چیزوں کا کہیں
نام و نشان تک نہیں تھا۔
" آپ کیا کام کرتے ہیں جناب ؟"
" میں ایک چھوٹا سا ہوٹل چلاتا ہوں۔"
" اس ہوٹل میں جوا تو نہیں ہوتا ؟" فرزانہ نے کچھ سوچ
کر پوچھا۔
" کیا بات کرتے ہیں ۔ میں تو ایسی چیزوں سے دور بھاگتا
ہوں۔" اس نے بھنا کر کہا۔
" کیا ہوٹل کی آمدنی ناکافی ہے۔"
"نہیں تو ۔ میری ضروریات کی حد تک بہت کافی ہے۔"
" کیا آپ کنجوس آدمی ہیں ؟"
" آپ یہ کس قسم کے سوالات کر رہے ہیں ۔ ان سوالات کا

راجا کے قتل سے بھلا کیا تعلق۔" اس نے انھیں گھورا۔

"ہم تفتیش کر رہے ہیں۔ کوئی گھاس نہیں کھود رہے۔" فاروق نے تلملا کر کہا۔

"میں نے تو ایسی تفتیش کہیں دیکھی نہ سُنی۔"

"لیکن اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔" فاروق نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"دیکھیے جناب۔ آپ میرے ہی گھر میں مجھ پر ہی آنکھیں نِکال رہے ہیں۔"

"اس لیے کہ ابھی تک ہمیں یہاں اور کوئی نظر نہیں آیا۔" فاروق مُسکرایا۔

"میرے گھر کے افراد ایک شادی میں گئے ہوئے ہیں۔" ایاز نے کہا۔

"اچھا۔ ایک آخری سوال۔ آپ نے اپنے دوست راجا کو کیوں قتل کیا؟"

"بکواس! میں کیوں اسے قتل کرتا۔" اس نے جل بھُن کر کہا۔

"آپ کو غصّہ آ رہا ہے۔ اس لیے اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ غصّے میں ہمیں مار بیٹھیں اور چوٹ کھا لیں۔" فاروق نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ مار بھی میں بیٹھوں اور چوٹ بھی میں ہی کھاؤں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! وہ ایسے کہ آپ کی کوشش ہم بالکل ناکام بنا دیں گے اور آپ کا مُکّا کسی دیوار سے جا لگے گا۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے۔ اب آپ چلے ہی جائیں۔ مجھے سچ مچ غصّہ آ رہا ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہم محسوس کر رہے ہیں۔ اچھا اللہ حافظ۔" محمود بولا۔

وہ گھر سے باہر نکلے ہی تھے کہ بائیں ہاتھ ان کی نظر ایک چھوٹے سے باغ پر پڑی۔

"واہ! باغ تو بہت خوب صورت ہے۔ اندر داخل ہوتے وقت ہم نے اسے دیکھا ہی نہیں۔" محمود نے تعریف کی۔

"اب دیکھ لیں۔" ایاز بارو نے منہ بنایا۔

"ضرور کیوں نہیں۔ ہمیں باغات اور پھولوں سے بہت دل چسپی ہے۔ کبھی ہمارا بھی پائیں باغ دیکھیے آ کر۔ ہم نے اس میں دُنیا بھر کے پھول لگا رکھے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔ تب تو میں ضرور آؤں گا کسی روز۔"

"ضرور ضرور۔ ہم آپ کا خوش دلی سے استقبال کریں گے۔"

اس کے چہرے سے ناگواری کے آثار یک دم غائب ہو گئے۔ اور چہرے پر مسکراہٹ تیرنے لگی۔

"باغ یہ بھی خوب صورت ہے، لیکن اس میں یہ گڑھا کیسا ہے" فرزانہ بول اٹھی۔

"گڑھا۔ کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا اور پھر اس سمت میں دیکھا۔ وہاں واقعی ایک گڑھا کھدا ہوا تھا۔

ان کے قدم خود بخود گڑھے کی طرف اٹھ گئے۔ ایاز بارود کے چہرے پر اب ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"گڑھا بالکل تازہ ہے۔ لیکن پوری طرح برابر نہیں کیا گیا۔ کناروں پر جو مٹی رہ گئی ہے۔ اگر وہ بھی اس میں ڈال دی جاتی تو پھر یہ گڑھا نہ رہ جاتا۔ ہاں گڑھے کے آثار ضرور دیکھے جا سکتے تھے۔ شاید کسی نے بہت جلدی میں یہ گڑھا کھودا ہے۔ اس میں کوئی چیز دفن کی اور پھر جلدی جلدی مٹی ڈال دی۔ لیکن وہ جلدی کی وجہ سے یا کسی وجہ سے اپنا کام مکمل نہ کر سکا" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"کیا مطلب؟" ایاز بارود چلا اٹھا۔

"آپ نے یہاں کیا چیز چھپائی ہے مسٹر ایاز بارود؟" محمود سرد آواز میں بولا۔

"کک۔ کچھ بھی نہیں۔"

"تب پھر آپ کے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟"

"اس۔ اس گڑھے کو دیکھو۔ کیوں کہ اسے میں نے بھی اسی وقت دیکھا ہے۔"

"خیر۔ ہم مٹی ہٹائے دیتے ہیں" محمود نے کہا اور گڑھے پر جھک گیا۔

ان کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے۔

آمنا سامنا

اکرام کا عملہ آدھ گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا۔

"آپ لوگ یہ پتریاں دیکھ رہے ہیں" انسپکٹر جمشید نے پانچوں پتریاں انھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"یس سر" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اس جنگل میں چاروں طرف پھیل جائیں۔ اس قسم کی اور پتریاں اِدھر اُدھر بکھری ملیں گی۔ مجھے وہ تمام پتریاں چاہییں ان کے علاوہ بھی اگر کوئی خاص چیز ملے۔ تو سمیٹ کر لے آئیں۔"

"او کے سر" انھوں نے کہا اور جنگل میں پھیلتے چلے گئے۔

"آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے؟"

"واردات بہت سوچ سمجھ کر کی گئی ہے۔ اور پہلے سے تیاری کر لی گئی تھی۔ گویا قاتل ہر طرح تیار تھا۔ ایسے قاتل جو پہلے ہی تیاری کر چکے ہوتے ہیں۔ بہت خطرناک ہوتے

ہیں۔ ان کا سُراغ لگانا بھی بہت مُشکل ہوتا ہے، لیکن بہرحال اس سے غلطی ہو چکی ہے۔"

"جی کون سی غلطی؟"

"یہی۔ پتریوں والی۔ اسے بہت دُور جا کر، پتریاں پھینکنی چاہییں تھیں۔"

"آخر اس نے ان پتریوں سے کیا کام لیا ہے؟"

"پہلے تمام پتریاں جمع ہو لینے دو۔ پھر بتاؤں گا۔" وہ مسکرائے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ کچھ اندازہ لگا چکے ہیں۔"

"ہاں! لیکن ابھی منزل دُور ہے۔ البتہ محمود، فاروق اور فرزانہ سے مُلاقات ہونے پر شاید ہم منزل کے قریب پہنچ جائیں، کیوں کہ انھوں نے بھی اب تک کچھ نہ کچھ تو کیا ہی ہو گا۔"

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

قریباً بیس منٹ بعد اکرام کے ماتحت واپس آنے لگے اور پھر سب آ گئے۔ انھوں نے پتریاں ان کے سامنے ڈھیر کر دیں۔

"یہ نٹ بھی ملے ہیں سر" ایک ماتحت نے کہا۔ اور بہت سے نٹ بھی ایک جگہ ڈھیر کر دیے۔

"بہت خوب۔ میں بھی ان کے ہی انتظار میں تھا۔ اب ان پتریوں کو ان نٹوں کے ساتھ آپس میں جوڑنا شروع کرو۔ اس طرح کہ مڑے ہوئے سروں والی پتریاں اندر کے رُخ لگتی چلی جائیں۔ ایسے۔"

یہ کہ کر انھوں نے عملی طور پر پتریوں کے سرے جوڑ کر دکھائے۔

"ارے۔" اکرام کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"تو تم سمجھ گئے۔"

"جی۔ جی ہاں۔ اس طرح تو ان پتریوں سے ایک عدد سیڑھی تیار ہو جائے گی۔"

"ہاں۔ ایک مضبوط سیڑھی۔ جسے ایک بیگ میں بھر کر لایا جا سکتا تھا۔ اور لایا گیا ہوگا، پھر اس جنگل ہی میں اسے جوڑا گیا ہوگا۔ پھر یہ سیڑھی مسٹر ڈوسانی کی دیوار سے لگا دی گئی ہوگی۔ گویا اس طرح واردات کی گئی۔"

"ہوں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ واردات کے بعد اس نے اس سیڑھی سے نجات حاصل کرنے کی یہ ترکیب کی کہ نٹ کھول کھول کر پتریاں الگ کرتا گیا اور انھیں اِدھر اُدھر پھینکتا چلا گیا۔"

"یہی بات ہے۔ میں ان پتریوں اور ان کے سروں پر بنے سوراخوں کو دیکھ کر اور پھر دوسری قسم کی پتریوں کے مڑے ہوئے سروں کو دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ ان سے سیڑھی بنائی گئی ہوگی۔ آؤ اب ذرا مسٹر ڈوسانی کی کوٹھی کی طرف چلیں اور محمود، فاروق اور فرزانہ سے ملاقات کر لیں۔"

سیڑھی تیار کرنے کے بعد وہ ڈوسانی کی کوٹھی کی طرف چل پڑے۔ آبادی میں داخل ہوئے تو راہ گیروں نے اس سیڑھی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔ انھوں نے سیڑھی ڈوسانی کی پچھلی دیوار سے لگا دی۔ سیڑھی منڈیر تک چلی گئی۔

"اکرام۔ دروازے پر دستک دو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

اکرام نے ابھی دستک دینے کے لیے قدم اٹھائے ہی تھے کہ پیچھے سے آواز سنائی دی:

"ٹھہریے جناب۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

انھوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک پولیس انسپکٹر چلا آ رہا تھا۔

"فرمایئے۔ کیا بات ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟"

"کیوں۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"یہاں قتل کی ایک واردات ہو گئی ہے۔ اور اس واردات کی تفتیش میں کر رہا ہوں۔ لہٰذا آپ کو پہلے یہ بتانا ہو گا کہ آپ کون ہیں اور اندر کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

"ہم بھی دراصل اس قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"جی کیا مطلب؟"

"یہ انسپکٹر جمشید ہیں جناب۔" اکرام نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ۔ معاف کیجیے گا جناب۔ میں آپ کو پہچانتا نہیں دراصل اس شہر میں بالکل نیا ہوں۔"

"تو یہ آپ کا علاقہ ہے۔ آپ کا نام؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میں جمیل ناصر ہوں۔"

"آپ اب تک کس نتیجے پر پہنچے؟" انھوں نے پوچھا۔

"ڈوسانی کے علاوہ کوئی قاتل نہیں ہو سکتا۔"

"واردات کی کس طرح گئی؟" اکرام نے پوچھا۔

"بہت ہی سیدھی سادی واردات ہے جناب۔ ایک سال پہلے مقتول راجا گھر سے ناراض ہو کر کہیں چلا گیا تھا۔ ایک سال تک وہ بالکل غائب رہا۔ پھر آج رات اچانک گھر آ گیا۔ اور بھائی سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا۔ اس

پر دونوں میں جھگڑا ہوا۔ اور راجا بڑے بھائی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے اس کی لاش کو غسل خانے میں ڈال دیا، ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرے کہ آپ کے بچے یہاں تک آ پہنچے۔ اور اس طرح لاش دریافت کر لی گئی۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ہم نے پورے حالات نہیں سنے۔ مہربانی فرما کر کیا آپ تمام حالات سنانا پسند کریں گے اور یہ بھی کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کہاں ہیں؟"

"ان کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔ حالات ضرور آپ کو سنا سکتا ہوں۔ آئیے اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ بیگم ڈوسانی کی سسکیاں اب رک گئی تھیں۔ دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ انسپکٹر نے تمام حالات کہہ سنائے۔

"ان حالات کی بنا پر تو کیس سیدھا سادا نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی۔ وہ کیسے؟"

"پہلی بات تو یہ کہ آپ اس فائر کی آواز کو کس خانے میں فٹ کریں گے جو تین ماہ سے برابر سنائی دے رہی ہے۔ کیا ڈوسانی کو پہلے سے معلوم تھا کہ اس کا چھوٹا بھائی کسی

روز آنے ہی والا ہے - اور اگر اسے معلوم تھا - تو بھی -
وہ ہر آٹھ دس روز بعد فائر والا ڈرامہ کیوں رچاتا - یہ تو خود
اس کے خلاف جاتا ہے۔"

انسپکٹر نے لاجواب ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا -

"نہیں جناب - یہ واردات سیدھی سادی نہیں ہے - ویسے
ڈاکٹر کی رپورٹ کیا ہے؟"

"لاش بہت سرد تھی - اگرچہ ہم لوگ اطلاع ملنے کے آدھ
گھنٹے بعد یہاں پہنچے تھے ، لیکن اس وقت بھی خون بہ رہا
تھا۔"

"اوہو - اچھا!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے
نکلا -

"جی ہاں - اور پستول کی گولی اس کے دماغ میں ہی موجود
تھی - اب لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جا رہا ہے۔"

"اور پستول؟"

"پستول بھی مل گیا ہے - اس پر ڈوسانی کی انگلیوں کے
نشانات ہیں ، لیکن اس کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے جس
روز فائر کی آواز سنائی دی تھی - اس روز آبادی کے لوگ
جمع ہو کر اس کے پاس آئے تھے - اور انھوں نے شک کا
اظہار کیا تھا کہ گولی اس کے گھر میں چلائی گئی ہے -

چنانچہ انھوں نے گھر کی تلاشی لی تھی - اور تلاشی کے دوران
ایک الماری سے پستول ملا تھا - اس پستول کے بارے میں
ڈوسانی کا بیان یہ ہے کہ وہ اس کا نہیں تھا - اور وہ نہیں
جانتا کہ کس طرح اس کے گھر میں آگیا تھا - محلے داروں
کے جانے کے بعد اس نے مکان کی چھت سے اس پستول
کو دور پھینک دیا تھا - لیکن تین ماہ بعد پھر وہی پستول
اس کی الماری سے ملا - اور اس صورت میں ملا جب کہ
لاش اس کے گھر کے غسل خانے میں موجود تھی - اور اس
سے خون بھی بہ رہا تھا اور اسی پستول کی گولی ہی لاش
کے سر میں موجود تھی - ان حالات میں دنیا کی کون سی
عدالت ہے - جو ڈوسانی کو بے گناہ قرار دے دے گی۔"

"واقعی - آپ کے پاس بہت مضبوط دلائل ہیں۔" انسپکٹر
جمشید بولے -

"اس کا مطلب ہے - ڈوسانی ہی قاتل ہے۔" انسپکٹر جیل
ناصر نے خوش ہو کر کہا -

"ہو سکتا ہے - لیکن مشکل ایک اور ہے۔" انسپکٹر جمشید
مسکرائے -

"جی کیا مطلب - کون سی مشکل؟"

"اس واردات میں ایک عجیب قسم کی سیڑھی استعمال کی گئی

ہے۔ جب کہ آپ کی کہانی میں کسی سیڑھی کا ذکر نہیں پایا جاتا
اور نہ ضرورت پائی گئی ہے۔ پھر سیڑھی کیوں استعمال کی گئی؟"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کوئی عجیب قسم کی سیڑھی کام میں لائی
گئی ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔

"آئیے۔ آپ کو دکھائیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ اور اُٹھ کھڑے
ہوئے۔ انسپکٹر جمیل ناصر کو بھی اُٹھنا پڑا۔ باہر نکل کر وہ
پچھلے حصے کی طرف آئے۔

"یہ دیکھیے۔ یہ رہی وہ سیڑھی۔"

"ارے۔ یہ۔ یہ تھوڑی دیر پہلے تو یہاں نہیں تھی۔"

"جی ہاں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس لیے کہ تھوڑی دیر پہلے
یہ جنگل میں موجود تھی۔"

"جی۔ میں سمجھا نہیں۔"

"آئیے۔ اندر چلیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اسے بتانے لگے
کہ سیڑھی جنگل میں کس حالت میں پڑی پائی گئی۔ انسپکٹر کا منہ
حیرت کی زیادتی سے کھلتا چلا گیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھنے
لگے۔

"اس۔ اس کا کیا مطلب ہوا جناب۔" انسپکٹر ہکلایا۔

"مطلب ہی جاننے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ اگر محمود، فاروق
اور فرزانہ سے ملاقات ہو جاتی تو ہم یہ اندازہ لگا سکتے تھے کہ

کس قدر کام ہو چکا ہے اور ہمیں ابھی اور کیا کچھ کرنا ہے۔ لیکن۔"
ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت آواز ان
کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

گڑھا گہرا ہوتا جا رہا تھا اور ایاز بارو کا رنگ پھیکا پڑتا جا
رہا تھا۔ آخر محمود کو ایک چمک دار چیز نظر آئی۔ اس نے ہاتھ
روک لیے۔ اور چٹکی میں پکڑ کر وہ چیز اُٹھا لی۔ انھوں نے
دیکھا۔ وہ سونے کا لاکٹ تھا۔ مردانہ لاکٹ۔ اس کا ایک حصہ
خون سے لتھڑا ہوا تھا۔ اور اس کی وجہ سے اس حصے پر مٹی
چمٹ گئی تھی۔ مٹی خون آلود تھی۔

"مسٹر بارو۔ کیا یہ لاکٹ آپ کا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"نن۔ نہیں۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"تو کیا یہ لاکٹ مسٹر راجا کا ہے؟"

"مم۔ میں نہیں جانتا۔"

"کیوں۔ اگر یہ راجا کا ہے تو پھر تو آپ کو یہ بات ضرور
معلوم ہونی چاہیے، کیوں کہ آپ گہرے دوست رہے ہیں۔ ایک
ساتھ شطرنج کھیلتے رہے ہیں۔" فرزانہ نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں - مجھے یاد آگیا - یہ لاکٹ واقعی راجا کے گلے میں رہتا تھا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"آپ کو یاد آگیا یا پہلے بھی یاد تھا اور آپ نے درست بات نہیں بتائی تھی۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں - یہی بات ہے۔"

"گویا لاکٹ دیکھتے ہی آپ کو یاد آگیا تھا کہ یہ راجا کے گلے میں اکثر دیکھ چکے ہیں۔" محمود بولا۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"پھر آپ کو جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔"

"میں گھبرا گیا تھا - میں نہیں جانتا - یہ لاکٹ یہاں کس نے دفن کیا ہے۔"

"خیر - یہ دیکھنا ہمارا کام ہے" محمود نے کہا اور گڑھے کی مٹی کو ٹٹولنے لگا، لیکن اس میں سے اور کوئی چیز نہ ملی۔

"یہ لاکٹ ہمارے پاس رہے گا - آپ شہر سے باہر نہیں جائیں گے - اگر جانے کی شدید ضرورت پیش آجائے تو تھانے میں رپورٹ کریں گے۔"

"کک - کیا آپ یہ خیال کر رہے ہیں کہ یہ کام میں نے کیا ہے۔"

"ہم ایسے ہی کوئی خیال قائم کرنے کے عادی نہیں ہیں - پہلے اچھی طرح غور کرتے ہیں، پھر نتیجہ نکالتے ہیں - جب نتیجہ نکل

آئے گا تو آپ کو بتا دیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ وہاں سے رخصت ہوئے اور رؤف آباد کی طرف روانہ ہوئے - ڈوسانی کی کوٹھی کے قریب پہنچے تھے کہ انھوں نے اپنے والد، اکرام اور اس انسپکٹر کو دیکھا جس سے ان کی ملاقات ہو چکی تھی - لہٰذا وہ پکار اٹھے:

"ارے - یہ آپ سب لوگ دروازے پر کیوں موجود ہیں۔"

رپورٹ

"اچھے موقعے پر آئے - تمھاری ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔"

"آپ تو جانتے ہی ہیں ابا جان - جُوں ہی آپ ہماری ضرورت شدت سے محسوس کرتے ہیں - ہم آ جاتے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"آؤ اندر چل کر بیٹھتے ہیں - پھر حالات اور واقعات سُنیں گے۔"

"ہم کیس مکمل کر چکے ہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"قاتل تک پہنچ چکے ہیں۔"

"اوہو اچھا - یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے۔

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"ہاں بھئی - تو تمھاری تفتیش کے مطابق قاتل کون ہے؟"

"پہلے تفصیل کیوں نہ سُن لی جائے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔"

محمود نے تمام حالات و واقعات کہ سُنائے - اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے تفصیل پیش کی - سیڑھی کے ذکر نے انھیں حیرت میں ڈال دیا -

"کمال ہے - اس ریڈی میڈ قسم کی سیڑھی کے بارے میں تو ہم نے سوچا بھی نہیں تھا - ہاں یہ خیال شروع سے موجود رہا کہ سیڑھی استعمال کی گئی ہے۔"

"اب کمی ہے - پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کی۔" انسپکٹر جمیل ناصر بول اُٹھا -

"ٹھہریے - میں فون کرتا ہوں - امید ہے، رپورٹ جلد مل جائے گی۔"

انھوں نے ہسپتال میں فون کیا اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بارے میں بات کی:

"جی ہاں جناب - رپورٹ قریباً تیار ہے - چند منٹ تک بھیج دی جائے گی۔"

"مختصر طور پر کچھ بتا سکتے ہیں آپ۔"

"جی ہاں - کیوں نہیں - گولی کن پٹی میں لگی تھی - پستول بہت

قریب سے چلایا گیا۔ بلکہ کن پٹی پر بارود کے ذرات موجود ہیں،
گویا پستول کی نالی کن پٹی پر رکھ کر گولی چلائی گئی۔ لیکن
پستول بہت کم طاقت ور تھا۔ گولی کھوپڑی توڑ کر نکل نہیں
سکی۔ اندر ہی رہ گئی۔"

"لیکن لاش کا جسم اس قدر سرد کیوں تھا؟" انسپکٹر جمشید نے
پوچھا۔

"یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"کیا لاش اب تک سرد ہے؟"

"جی نہیں۔ اب تو معمول پر آچکی ہے۔"

"شکریہ۔ آپ کے خیال میں موت کس وقت واقع ہوئی؟"

"رات کے تین یا چار بجے کے قریب۔"

"جی کیا مطلب۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے تو لاش چھے بجے
کے قریب دیکھی تھی اور اس وقت تک خون بہ رہا تھا۔
تو کیا دو گھنٹے بعد تک خون بہ سکتا ہے۔ لیکن فائر کی آواز
انھوں نے اس سے بھی پہلے سنی تھی، ساڑھے پانچ بجے کے قریب۔"

"جی ہاں! ایسا ہو سکتا ہے۔ گولی کا سوراخ بہت چھوٹا ہے،
ویسے ہو سکتا ہے۔ ہم سے اندازہ لگانے میں غلطی ہوئی ہو اور
گولی ساڑھے پانچ بجے کے قریب ماری گئی ہو۔"

"اگر ہم گولی کی آواز کے مطابق حساب لگائیں۔ تب تو

معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ انھوں نے ساڑھے پانچ بجے کے قریب
گولی کی آواز سنی۔ اور چھے بجے کے قریب لاش کو دیکھا۔ اس
صورت میں خون کا بہنا شاید عجیب نہیں، لیکن اگر گولی
رات کے تین چار بجے ماری گئی تو پھر اتنی دیر تک خون کا
بہنا عجیب لگتا ہے۔"

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ ہم مزید غور کرتے ہیں۔"

"شکریہ۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا، پھر ان سے
بولے:

"جب تک پوسٹ مارٹم کی درست رپورٹ نہیں مل جاتی،
اس وقت تک ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے؛ تاہم میں
محسوس کر رہا ہوں کہ اس کیس سے متعلق تمام لوگ یہاں
موجود ہونے چاہییں۔ سب کے سامنے ہی بات کی جائے گی،
لہذا سب کو بلا لیا جائے۔ محمود تم قمر خان کو اطلاع دے
آؤ۔ فاروق تم مسٹر جالب اور مسٹر ایاز بارو کو فون کر دو۔
اور انسپکٹر صاحب۔ آپ مسٹر ڈوسانی کو یہاں لے آئیں۔"

"جی بہتر۔" ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

ایک گھنٹے بعد سب لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ان کے سامنے میز پر موجود تھی اور وہ اس کا مطالعہ کر چکے تھے۔ آخر انسپکٹر جمشید نے سب پر ایک نظر ڈالی اور کہنے لگے:

"یہ کہانی ایک گھر کی اور تین دوستوں کی کہانی ہے۔ راجا مسٹر ڈوسانی کا چھوٹا بھائی تھا، لیکن گھریلو حالات پُرسکون نہیں تھے۔ اس کا اپنی بھابی سے ہر روز جھگڑا رہتا تھا۔ اس جھگڑے نے گھر کا سکون لوٹ لیا تھا۔ ایک سال پہلے ایک شام کو خوب جھگڑا ہوا، اس وقت گھر میں مسٹر ڈوسانی موجود نہیں تھا، غصے کی حالت میں راجا گھر سے باہر نکلا۔ اور پھر لوٹ کر نہ آیا۔ مسٹر ڈوسانی نے اسے تلاش کیا۔ نہ ملا تو تھانے میں رپورٹ درج کرائی، لیکن ہمارے ملک کی پولیس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ کسی بھی معاملے کی تفتیش کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی؛ چنانچہ یہ خیال کر لیا گیا کہ غصے کی حالت میں گیا ہے۔ غصہ ٹھنڈا ہوگا تو آجائے گا۔ بالغ ہے۔ کوئی بچہ نہیں ہے۔ اس کی تلاش میں کیوں مارا مارا پھرا جائے۔ لیکن اگر اسی وقت تحقیق کر لی جاتی تو آج ہم یہاں جمع نہ ہوتے۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"مطلب میں ابھی بتاؤں گا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ راجا غصے کی حالت میں گھر سے گیا اور لوٹ کر نہ آیا، پولیس نے اس کی تلاش کے سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھایا۔ بھائی کیا کرتا، دوستوں سے پوچھ کر بیٹھ گیا۔ تینوں دوستوں نے یہی کہا کہ راجا ان کے ہاں نہیں آیا۔ لیکن بات یہ نہیں تھی۔ راجا ان تینوں میں سے ایک دوست کے پاس گیا تھا۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔ راجا ان میں سے ایک دوست کے پاس گیا تھا۔ وہ غصے میں تو تھا ہی۔ جاتے ہی شطرنج کھیلنے کا مطالبہ کر ڈالا۔ دوست نے شطرنج کی بساط بچھا دی، شطرنج شروع ہو گئی۔ راجا ابھی تک غصے میں تھا۔ دوست کی کسی چال پر اور غصے میں آ گیا اور اس پر ہاتھ چھوڑ بیٹھا۔ دوست کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے بھی جواب میں مکا دے مارا۔ دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ اور لڑائی اس قدر بڑھی کہ دوست نے اپنی میز کی دراز میں سے پستول نکال لیا۔ اور موقع ملتے ہی راجا کی کن پٹی پر پستول کی نالی رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔"

"کیا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ راجا کی لاش ہے سال

پہلے نہیں ۔ آج ہی ملی ہے۔" محمود نے چلا کر کہا۔

" ہاں بالکل ۔ انسپکٹر صاحب شاید اس اہم بات کو بالکل بھول گئے ۔ بلکہ ہم نے تو اس کے سر سے خون بہتے بھی دیکھا ہے۔" انسپکٹر جمیل ناصر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

" آپ لوگ بھی ٹھیک کہتے ہیں ، لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ لوگوں نے حالات کا باریک بینی سے جائزہ نہیں لیا ۔ محمود ، فاروق اور فرزانہ نے فائر کی آواز ساڑھے پانچ بجے کے قریب سنی ۔ معلوم کرتے کرتے وہ چھ بجے کے قریب لاش کو دیکھ پائے اس کے سر سے خون جاری تھا۔"

" اور اس پر بھی آپ کہہ رہے ہیں ۔ ایک سال پہلے اس کے دوست نے کن پٹی پر گولی چلائی تھی۔" انسپکٹر جمیل ناصر نے جلدی سے کہا۔

" ہاں ! میں یہی کہہ رہا ہوں ۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ یہ کہتی ہے کہ راجا کو مرے ہوئے تین چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔"

" تو پھر ۔ تین چار گھنٹے میں اور ایک سال کی مدت میں تو زمین آسمان کا فرق ہے جناب۔" انسپکٹر نے کہا۔

" ہاں ! یہی بات ہے ۔ اور ہمیں اسی فرق کو ہی دور کرنا ہے ۔ جوں ہی ہم نے فرق کو دور کیا ۔ قاتل سامنے آجائے گا

انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

" جی کیا مطلب؟" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

" میرا دعویٰ ہے کہ قتل آج نہیں ۔ ایک سال پہلے ہوا تھا۔" وہ بولے۔

" نہیں ۔ کیا !!!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

" ہاں ! بالکل یہی بات ہے۔"

" تب پھر آج اس کے سر سے خون کس طرح نکل رہا ہے، کیا وہ فرضی خون تھا۔"

" نہیں ۔ خون اصلی تھا ۔ اور واقعی آج نکل رہا تھا ۔ اس کی وجہ بالکل صاف ہے ۔ اور وہ یہ کہ اس وقت خون نکلنے سے روک دیا گیا تھا ۔ آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے ۔ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔"

" ج ۔ جی ہاں ۔ ہم اچھی طرح سمجھ رہے ہیں۔" فرزانہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

" اب سوال یہ ہے کہ تین دوستوں میں سے کس دوست کے گھر قتل کا حادثہ پیش آیا تھا ۔ اور ہاں ۔ یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ قاتل نے اس آبادی میں فائرنگ کا چکر اسی لیے چلایا تھا کہ پہلے سے لوگ ڈوسائی پر شک کرنے کے لیے تیار ہو جائیں ۔ اس غرض کے لیے اس نے باقاعدہ پروگرام بنایا ،

اور اس کے گھر میں داخل ہو کر ایک الماری میں پستول رکھ
دیا۔ پھر دوسرے پستول سے صبح سویرے فائر کیا گیا۔ فائر
ڈوسانی صاحب کے گھر کے آس پاس کیا گیا۔ آبادی کے رہنے
والے جمع ہوئے۔ ان میں سے کسی نے خیال ظاہر کیا کہ فائر
مسٹر ڈوسانی کے گھر میں ہوا ہے۔ ظاہر ہے، انھوں نے آواز
کی سمت کا اندازہ لگا کر یہ بات کہی ہوگی، پھر انھوں نے مسٹر
ڈوسانی کے گھر کی تلاشی بھی لی اور پستول برآمد کر لیا، لیکن
چوں کہ واردات کوئی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے معاملہ آگے نہیں
لے جایا گیا۔ پستول مسٹر ڈوسانی کے گھر میں ہی رہنے دیا
گیا۔ جسے بعد میں مسٹر ڈوسانی نے جنگل کی طرف اچھال دیا۔
صاف ظاہر ہے۔ ہر کام قاتل کے پروگرام کے مطابق ہو رہا
تھا۔ وہ جنگل میں گیا اور پستول کو احتیاط سے اُٹھا لیا۔ اور
اسی طرح اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔ تین ماہ بعد اس نے
راجا کی لاش مسٹر ڈوسانی کے سر تھوپنے کا پروگرام
بنا لیا۔ اور لاش اٹھا کر لے آیا۔ لاش کو کوٹھی کے باہر
دیوار کے ساتھ رکھا۔ سیڑھی کے ذریعے اندر داخل ہوا اور
پھر دوسری طرف اُتر کر کوئی کھڑکی کھولی۔ لاش اندر غسل خانے
میں پہنچائی کھڑکی بند کی اور سیڑھی کے ذریعے باہر نکل گیا،
پھر جنگل میں جا کر سیڑھی کو بھی الگ الگ کر کے منتشر کر

دیا۔ واپس جانے سے پہلے اس نے وہ پستول جس پر مسٹر ڈوسانی
کی انگلیوں کے نشانات تھے، ایک الماری میں رکھ دیا۔ قاتل
نے یہاں آنے سے پہلے اپنے گھر میں یا کسی اور جگہ اس پستول
سے ایک فائر بھی کیا تاکہ بارود کی بو محسوس ہو سکے۔ اس کام
سے فارغ ہو کر اس نے دوسرے پستول سے ہوائی فائر
کیا۔ اسی فائر کی آواز محمود، فاروق اور فرزانہ نے سُنی تھی۔
رہ گیا یہ سوال کہ قاتل کون ہے۔ ان تینوں نے راجا کے تینوں
دوستوں کے گھروں کا اندر سے جائزہ لیا ہے۔ قمر خان
کے گھر میں تمام چیزیں قیمتی ہیں۔ گویا دولت کی ریل پیل ہے،
جالب مکرانی بھی خوب دولت مند آدمی ہے۔ البتہ ایاز بارو
درمیانے درجے کے آدمی ہیں۔ لیکن ان کے گھر کے باغ
میں ایک گڑھے سے ایک ہار ملا ہے۔ خون آلود ہار۔ اب میں
آپ لوگوں کے سامنے وہ ہار پیش کرتا ہوں۔ ذرا پہچانیے تو۔"
اتنا کہہ کر انھوں نے ہار سب کے سامنے لہرایا۔

"ارے۔ یہ تو راجا کا ہے۔ میرے بھائی کا۔"

"کیوں مسٹر ایاز بارو۔ یہ آپ کے دوست راجا کا ہے نا؟"

"ج۔ جی ہاں!"

"شکریہ۔ آپ نے یہ تو تسلیم کیا۔ یہ ہار آپ کے باغ میں
سے ملا۔ ٹھیک ہے۔"

"جی ہاں۔ لیکن میں نے اسے وہاں نہیں دبایا تھا:" ایاز بارو
بولا۔

"ہاں! میرا بھی یہی خیال ہے۔ کہ آپ نے اس ہار کو وہاں
نہیں دبایا تھا:"

"تب پھر۔ اس ہار کو وہاں کس نے دبایا؟" اکرام بولا۔

"قاتل نے۔ اور کس نے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کی
تفتیش کے انداز نے قاتل کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس نے
سوچا۔ کہیں وہ اس تک نہ پہنچ جائیں۔ لہٰذا کیوں نہ ان کو
غلط راستے پر ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اس نے افراتفری کے
عالم میں وہ ہار نکالا۔ جو قتل کے وقت اس نے راجا کی گردن
سے نکال لیا تھا۔ اسے کسی جانور کے خون سے رنگا اور
ایاز بارو کے گھر پہنچ کر باغ میں دفن کر دیا۔ باغ کے گرد
چار دیواری موجود ہے۔ ایاز بارو اندر تھے۔ لہٰذا قاتل کو یہ
کام کرتے ہوئے کوئی نہ دیکھ سکا۔ قاتل یہ کام کرکے چپ
چاپ واپس آ گیا۔ اور ادھر محمود، فاروق اور فرزانہ تلاشی لیتے
لیتے باغ تک پہنچ گئے۔ اور ہار برآمد کر لیا۔ لیکن افسوس۔ مسٹر
قاتل نے اتنا نہ سوچا۔ صرف ایک ہار کے اس طرح مل جانے
سے کیا ہوتا ہے۔ جب یہ سوال سامنے آئے گا کہ لاش ایک
سال تک کہاں رہی تو بے چارے ایاز بارو بالکل بے گناہ
ثابت ہو جائیں گے اور قمر خان اور جالب مکرانی نظروں کے
سامنے رہ جائیں گے، کیوں کہ ان دونوں کے گھروں میں بڑے
فرج اور ڈیپ فریزر موجود ہیں۔ ان دونوں میں ہی لاش کو ایک
سال تک محفوظ رکھا جا سکتا تھا:"

"ارے باپ رے:" قمر خان نے چیخ کر کہا۔

"گھبرانے اور پریشان ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔
رپورٹ آنے والی ہے:" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی کیا مطلب۔ کیسی رپورٹ؟" محمود بولا۔

"بھئی۔ ذرا غور کیا کرو۔ لاش کو ایک سال تک فرج
میں رکھا گیا یا ڈیپ فریزر میں۔ وہ برف میں دفن رہی،
اسے اسی حالت میں نکالا بھی گیا، کیوں فرج یا ڈیپ فریزر
کو بند کرکے لاش کو نرم حالت میں نکالا جانا خطرناک تھا،
اس لیے لازمی بات ہے کہ چھری کی مدد سے برف کو
کھرچا گیا ہو گا۔ اور پھر لاش کو نکال کر کار کی ڈکی میں
رکھا گیا ہو گا۔ پھر ادھر لا کر سیڑھی بنائی گئی ہو گی اور اس
طرح لاش اندر پہنچی:"

"تو۔ وہ رپورٹ جو آنے والی ہے:" فرزانہ کہتے کہتے رک
گئی۔

"ہاں! وہ یہی ہو گی کہ ان دونوں میں سے کس کے فرج یا

فریزر پر چھری کے نشانات ہیں۔ اور کار کی ڈکی کس کی گئی ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اسی وقت باہر جیپ رکنے کی آواز سنائی دی۔

ایک سال بعد

"لیجیے۔ رپورٹ آ گئی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور پھر ان کے ماتحت اندر داخل ہوئے:

"کیوں بھئی۔ رپورٹ لے آئے؟"

"جی ہاں بالکل لے آئے۔ مسٹر۔" ایک ماتحت نے کہنا چاہا کہ انسپکٹر جمشید بول اٹھے:

"ایک منٹ۔ ابھی میں نے یہ نہیں پوچھا کہ رپورٹ کیا ہے۔ پہلے میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔ ایک سال پہلے مسٹر جالب مکرانی کی بیوی فوت ہو گئی تھی۔ اور انھوں نے اپنے ملازم خانو کو بھی ملازمت سے جواب دے دیا تھا۔ ایسا صرف اس لیے کیا گیا کہ گھر میں نہ بیوی کو رکھا جا سکتا تھا، نہ ملازم کو۔ ورنہ وہ کسی روز تو فریزر میں لاش کو دیکھ ہی لیتے۔ لہٰذا بیوی کو بھی شاید موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور ملازم خانو کو جواب دے

دیا گیا۔ اس طرح جالب مکرانی لاش کے ساتھ ایک سال
تک رہتے رہے۔ بس یہی سوچتے رہے۔ راجا کی لاش کا
کیا کریں۔"

"اوہ۔ اوہ۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"بیوی والا معاملہ بھی صاف ہو جاتا تو بہتر تھا۔" اکرام
نے کہا۔

"ہاں! میں نے پولیس کو ہدایات دی ہیں۔ اس وقت
تک لاش نکلوائی جا چکی ہو گی۔ اس کا بھی پوسٹ مارٹم کیا
جائے گا۔ اب یہ بچ نہیں سکتے۔ اگر اس وقت پولیس
کو فون کر دیتے اور حقیقت بتا دیتے کہ اچانک ایسا ہو
گیا ہے تو انہیں شاید چند سال کی سزا ملتی۔ لیکن اب
یہ بُرے پھنس گئے ہیں، کیوں مسٹر جالب مکرانی۔ کیا
یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ اپنی بیوی کی لاش کے پوسٹ
مارٹم سے پہلے ہی اصل بات بتا دیں۔ اس طرح لاش کی
بے حرمتی نہیں ہو گی۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ راجا اچانک ہی میرے ہاتھ
سے مارا گیا۔ ایسا قطعاً کوئی پروگرام نہیں تھا اور نہ اس
کی موت سے مجھے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ بس یہ ایک اتفاقی
حادثہ تھا۔ لیکن اس حادثے نے میری عقل مار دی۔ میں نے

سوچا نہ سمجھا۔ جوں ہی اس کو گولی لگی۔ اسے اٹھا کر
فریزر میں ڈال دیا اور فریزر کو تالا لگا دیا۔ وہ پوری
طرح سرد تھا۔ اس کا خون فوراً ہی جمنا شروع ہو گیا۔
لیکن اب مجھے فکر ہوئی کہ بیوی اور ملازم کا کیا کروں۔
بیوی پہلے ہی بیمار رہتی تھی اور میں اس سے بہت تنگ
آیا ہوا تھا۔ بس ایک دن میں نے اس کا گلا بھی گھونٹ
دیا اور اس کی موت کا اعلان کر دیا گیا۔ کسی نے اس
کی موت پر کوئی شک نہ کیا۔ لہٰذا اسے دفنا دیا گیا۔
اس کے بعد بیوی کے غم کا بہانا بنا کر میں بات بات
پر ملازم پر بگڑنے لگا اور آخر ایک دن اس کو بھی
ملازمت سے چھٹی دے دی۔ اب میں تھا اور لاش۔
لیکن راتوں کو میں اس لاش کو اپنے خوابوں میں دیکھتا
تھا۔ میری نیند برباد ہو گئی۔ چین اور سکون لٹ گیا۔ میں
دن رات اس لاش سے پیچھا چھڑانے کی ترکیبیں سوچنے
لگا۔ آخر نو ماہ گزرنے پر ترکیب سمجھ میں آئی اور میں
نے اس پر عمل شروع کیا۔ آپ لوگ اس ترکیب کو
سن ہی چکے ہیں۔ کاش میں اسی دن پولیس کو فون کر
دیتا۔ لیکن میں خوف زدہ ہو گیا۔ خوف نے مجھے کہیں کا
نہ رکھا۔ افسوس۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور

خاموش ہو گیا۔

"دیکھا جائے تو اس حادثے کے اصل ذمّے دار آپ نہیں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"جی - کیا مطلب - میں ذمّے دار نہیں ہوں۔ اگر میں نہیں ہوں تو پھر کون ہے۔" جالب چونکا۔

"ڈوسانی صاحب کی بیگم صاحبہ - انھوں نے اپنے دیور سے اچھا سلوک نہ کیا - ان سے برابر جھگڑا رکھا - وہ بے چارہ تنگ آ گیا تھا - اور اس روز بھی شدید جھگڑا ہوا تھا - غصّے میں لال وہ سیدھا جالب کے گھر پہنچ گیا - غصّے سے نجات حاصل کرنے کے لیے اس نے شطرنج کھیلنا پسند کیا - لیکن اس کھیل میں غصّہ آتے کیا دیر لگتی ہے - کسی چال پر غصّہ جو آیا - تو جلتی پر تیل کا کام کر گیا - اور وہ مسٹر جالب پر ہاتھ چھوڑ بیٹھا - دراصل اپنی بھابی کا غصّہ دوست پر اُتار رہا تھا - ایسے میں خطرناک بات یہ ہوئی کہ مسٹر جالب کو بھی غصّہ آ گیا - اور یہ اتفاقی حادثہ ہو گیا۔" انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

سب غمگین انداز میں سر جھکائے بیٹھے رہے۔ پھر ہتھکڑی مجرم کی طرف بڑھنے لگی۔

وہ وہاں سے نکلے تو بہت چُپ چاپ تھے۔ انسپکٹر جمشید

سے رہا نہ گیا:

"کیوں بھئی - خیر تو ہے - آج کی سیر مہنگی پڑی کیا؟"

"جی - مہنگی - ہمیں تو نہیں - ہاں مجرم کو ضرور مہنگی پڑی -

ارے - مہنگی سیر - یہ - یہ - یہ تو -"

محمود نے جلدی سے فاروق کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔